رہنمائے فطرت

تصوف کے مشکل مباحث حذف کر کے مفید عام اضافے

و تبدیلیوں کے ساتھ رہنمائے انسانیت کی جدید اشاعت

مرتبہ

"مدیر الحق"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند بنیادی حقیقتیں

صالحیت و شہادت

قرب و صدیقیت

مرتبہ

صفوۃ الرحمن صابر مدیر "الحق"

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وجہ تالیف

چند احباب خصوصاً محبی مولوی فضل اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ کا اصرار تھا کہ کتاب "رہنمائے انسانیت" کی عبارت اور اس میں وحدۃ الوجود کے مباحث عام فہم نہیں ہیں اس لئے وحدۃ الوجود کی بحث کو حذف کرکے ذرا سلیس عبارت میں خالص قرآنی، نبوی تعلیم کا ایک نسخہ مرتب و شائع کرنا مناسب ہے۔ چنانچہ مولانائے موصوف کے تعاون و مشورہ سے حذف و تبدیلی و اضافہ کے ساتھ یہ کتاب ہدیۂ ناظرین ہے۔ کتاب کے موضوع کے لحاظ سے جس کا نام "رہنمائے فطرت" تجویز کیا گیا۔

الحمد للہ رب العٰلمین

"میر الحق"

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَہُ الْاَسْمَآءَ وَالْبَیَانَ

مقصد کتاب

دین و اسلام! یہ دونوں عربی لفظ ہیں، قرآن مجید کے ترجموں میں بھی یہی الفاظ لکھ دیئے جاتے ہیں ان کا ترجمہ نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے اکثر مسلمان اور دوسری قومیں بھی دینِ اسلام کے حقیقی مفہوم سے بے خبر ہوگئی ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ صدیوں سے مسلمانوں کی اکثریت دین اسلام کی غلط نمایندگی کر رہی ہے ان کے علم و عمل، فکر و نظر اور ان کی زندگی کو دیکھ کر غیر مسلم قومیں دیگر مذہبوں کی طرح دینِ اسلام کو بھی ایک مذہب اور ایک طبقہ کا دین سمجھتی ہیں اور دین اسلام کے متعلق یہ غلط تصوّر اتنا جڑ پکڑ گیا ہے کہ اگر یہ حقیقت بیان کی جائے کہ دین اسلام صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ پورے انسانوں کا دین ہے، جو اس دین کا پیرو ہے وہ مسلمان ہے (خواہ اس کا تعلق کسی قوم و نسل سے ہو، چاہے وہ ہندی ہو، حبشی ہو، افریقی ہو، روسی ہو یا امریکی ہو۔ غرض کسی ملک کا باشندہ ہو) اور جس کی فکر و عمل قرآنی و نبویؐ نہیں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں خواہ اس کا قومی نام مسلمانوں کے جیسا کیوں نہ ہو۔ تو سننے والوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے۔

الحاصل مسلمانوں کے دینی افکار و اعمال کی حالت اتنی خراب ہوگئی ہے کہ جن باتوں کا کوئی تعلق یا نسبت دین سے نہیں اس کو نہ صرف مسلمان دینی اعمال اور اسلامی تقاریب سمجھ کر انجام دے رہے ہیں بلکہ غیر مسلم بھی مسلمانوں کے ان اعمال کو دیکھ کر ان کو اسلامی اعمال اور اسلامی تقاریب سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح دین اسلام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں بدنام ہوتا جارہا ہے۔ ان تمام خرابیوں کا نتیجہ یہ

ہے کہ دیندار طبقہ کے لئے دین ایک نقشہ یا خواب بن کر رہ گیا ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت دین اسلام کو "اساطیر الاولین" پرانی کہانیاں سمجھتی ہے یا اپنے استادانِ مغرب کے غلط نظریات سے مرعوب ہوکر یہ سمجھتی ہے کہ دین اسلام دوسرے خود ساختہ ادیان کی طرح اللہ اور بندہ کے ایک خاص قسم کے تعلق کا نام ہے جس کو زندگی کے کاروبار میں کوئی دخل نہیں۔

دینِ اسلام سے صحیح طور سے ناواقف ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان جتنا تعلیم یافتہ ترقی یافتہ ہوتا جا رہا ہے اتنا ہی جہل و پستی میں مبتلا ہو رہا ہے۔ علم و فن، تحقیق و ترقی کا ادعا کرنے کے باوجود یہ نہیں جانتا کہ زندگی کا حقیقی تصور، اصلی فطری نظریۂ حیات کیا ہے؟ اپنے اندر ایک حیاتِ ابدی کا مطالبہ رکھ کر بھی ابدی حیات بعد الموت کے متعلق یا تو غلط علم رکھتا ہے یا پھر اس زندگی کے متعلق شک و ریب میں مبتلا ہے، یا اس کی طرف سے بالکل اندھا بنا ہوا ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

بل ادّٰرٰک علمھم فی الاٰخرۃ بل ھم فی شک منھا بل ھم منھا عمون (النمل)

(ترجمہ) بلکہ آخرت کے متعلق ان کا علم نسیاً منسیاً ہوگیا، بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے تو حضرات صحابہ کرام کا دور شروع ہوا۔ یہ حضرات حضرت معلم کتاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے براہ راست شاگرد تھے، سب سے زیادہ دعوتِ حق، مرضیٔ رب، منشاء رسالت اور مزاجِ اسلامی کو سمجھتے تھے، اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے کہ انسان کو اس دنیا کی عارضی زندگی اور ساز و سامانِ زندگی سعی و عمل، جدوجہد کے لئے عطا کیا گیا ہے، اور یہ کہ انسان کی اصلی زندگی موت کے بعد کی زندگی ہے۔ جو مستقل اور غیر فانی ہے جہاں انسان اپنی چند روزہ سعی و عمل کا ابدی بدل پائے گا۔ وہ زندگی بعد الموت کے نفع کو اصلی نفع اور ضرر کو اصلی ضرر سمجھتے تھے اور اسی سمجھ سے وہ زندگی کے تمام کاروبار انجام دیتے تھے۔ کتاب و سنت سے ان کی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ کتاب الٰہی میں صریح اور واضح حکم موجود ہو تو اس کے خلاف کوئی حدیث تک قبول نہیں کرتے تھے۔ اور منشاءِ رسالت

اسوۂ حسنہ کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے تھے، انہوں نے مصلحتِ وقت کو بہانہ بناکر کبھی کسی حکم و ہدایت کے خلاف عمل نہیں کیا۔ ان کے ایمان و یقین کا سرچشمہ صرف خدا و رسول کے ارشادات تھے جو فطرتِ انسانی کا آئینہ ہیں۔ ان ارشادات کی بناء پر جن امور و حقائق پر وہ ایمان لائے تھے ان پر اپنے مشاہدہ کی طرح یقین رکھتے تھے اور اسی نور سے اپنی ذات اور کائنات میں آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی لئے ان کے قلوب میں کشف وکرامت کا نہ کوئی مطالبہ پیدا ہوا اور نہ کبھی کسی حکم، مصلحت یا کسی غیبی حقیقت کو اپنی ذاتی رائے و عقل سے جانچنے اور معلوم کرنے کی کوشش کی۔ علم و ہدایاتِ الٰہی اور طریقۂ نبوی ہی کو وہ حضرات عقل کی روشنی اور عقل کا رہبر سمجھتے تھے۔ ان حضرات اور ان کے تلامذہ، شاگردانِ رشید نے یکے بعد دیگرے وراثتِ نبوت، خلافتِ الٰہی کے فرائض انجام دیئے اور دنیا کو انسانیت یعنی اسلام سے روشناس کرایا، فطرت سے غافل انسانوں کو، فطرت سے باخبر کرکے خالقِ فطرت کے آستانے پر سرنگوں کیا۔ جب خیرالقرون کا یہ مبارک دور ختم ہوگیا تو ایک طرف دنیا شمعِ نبوت کے پروانوں سے خالی ہوتی گئی اور دوسری طرف عجمی قومیں اپنے عجمی، غلط مذہبی تصورات اور خیالات کو لے کر اسلام میں داخل ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ کتاب و سنت سے تعلق کمزور ہوتا گیا۔ اور بصیرتِ قرآنی کی خداداد نعمت سے محرومی بڑھتی گئی۔ جس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ مسلمانوں میں گمراہ، راہ نجات سے ہٹے ہوئے فرقے پیدا ہوتے گئے اور دوسری خرابی یہ ہوئی کہ حق و باطل کو جانچنے کا معیار کتاب و سنت کے بجائے عقل یا بزرگوں کا کشف قرار پایا، گہرے رنج و افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت دین وکمال دین کی جو قرآنی تعلیم مسلمانوں میں رائج ہے، رشد و ہدایت کے مراکز اور اصلاحی و تبلیغی جماعتوں میں جاری ہے اس میں عجمی، غیرقرآنی افکار کی بہت آمیزش ہوچکی ہے۔ غرض ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کی حقانیت و نورانیت پر ایک پردہ سا پڑا ہوا ہے اور پوری دنیائے انسانیت گمراہی کو ہدایت و سلامتی

کی راہ سمجھ کر بے راہ روی میں مبتلا ہے، غیر قرآنی اور باطل افکار کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ انسان اس دنیا میں مالک ومختار ہے اپنی عقل و تدبیر سے اپنے حقیقی نفع و ضرر کو معین اور اپنی زندگی کے مسائل کو حل کرسکتا ہے وہ کسی بالاتر ہستی کا محتاج و بندہ و تابع نہیں ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی صلاح و فلاح کے لئے کوئی حکم وہدایت نازل نہیں فرمائی۔

۲۔ بندگی بیچارگی و بے بسی کا نام ہے۔

۳۔ دنیا علیحدہ ہے اور دین علیحدہ اور یہ کہ دین وسیاست علیحدہ ہے۔

۴۔ دین ایک ذمہ داری ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر عاید کی ہے۔ اور یہ کہ دین مشکل ہے۔

۵۔ بادشاہ اور رعیّت کے تعلق کی طرح عبد اور رب کا تعلق بھی ایک قانونی تعلق ہے۔

۶۔ دن اور رات کے مخصوص اوقات میں مخصوص طریقوں سے خدا کو یاد کرنا اور خدا کا نام جپتے رہنے کا نام عبادت ہے اور سب سے بڑی عبادت خدمت خلق ہے۔

۷۔ مغفرت اور جنّت کا مستحق ہونے کے لئے بے سمجھے بوجھے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا اور کسی کا مرید ہوجانا یا کسی اہل اللہ سے عقیدت قائم کرکے اس کی خدمت کرتے رہنا کافی ہے۔ جس کے بعد ہویٰ وہوس کی اتباع کرتے رہنے سے مغفرت، نجات آخرت سے محرومی نہیں رہتی۔

۸۔ آخرت ایک روحانی عالم ہے جسمانی عالم نہیں ہے وہاں کی راحت ومسرت درد و اذیت خیالی ہوگی، کھانے، پینے، رہنے سہنے اور جنسی میلانات اور اس کی لذتوں سے وہ عالم منزہ ہے۔ قرآن میں عالمِ آخرت کے متعلق سامانِ عیش و راحت اور دکھ اذیت کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ بطور مثال ہیں۔

۹ - ولایت یہ ہے کہ اللہ کی یاد میں اس قدر گم رہیں کہ دنیا اور ما فیہا کی خبر نہ رہے ، غیبی چیزیں نظر آئیں ، پوشیدہ باتیں معلوم ہو جایا کریں - بیماریوں کو توجہ سے دفع کر دیں ، اور اپنی ہمّت و تصرف سے لوگوں کے کام بنا دیا کریں اور اپنی توجہ سے بگڑے ہوؤں کی دنیا و دین درست کر دیا کریں - وغیرہ وغیرہ -

۱۰ - بزرگانِ دین سے غلطی نہیں ہوتی - شیخ و مرشد کی ہر بات وحی کی طرح صحیح ہوتی ہے - ان سے اختلاف سوء ادبی ہے جس سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں -

۱۱ - کتاب و سنت کے علاوہ اور طریقوں سے بھی وہی تعلق باللہ قائم ہو سکتا ہے جو صحابۂ کرام کو کتاب و سنت کی اتباع سے حاصل تھا اور یہ کہ بزرگانِ دین نے تعلق باللہ قائم ہونے کے لئے جو مختلف اشغال اور مراقبے ایجاد و جاری کئے ہیں ان کو اختیار کئے بغیر دین و ایمان کی تکمیل اور مقام احسان کی تحصیل نہیں ہو سکتی اور مروجہ اشغال ہی صحبتِ نبوی کا بدل ہیں -

۱۲ - عالمِ قرآن وہی ہیں جو عربی زبان کے صرف و نحو ، معانی و بیان ، اور کلام و منطق و فلسفہ کے ماہر ہیں - اور ایسے ہی حضرات کلام الٰہی کے مطالب کو خوب سمجھ سکتے ہیں -

۱۳ - بزرگانِ دین ، مفکرینِ اسلام کی کتابیں پڑھ لینے سے دینی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے -

۱۴ - شریعت الگ ہے اور محبّت الگ -

۱۵ - معاشی اصلاح کے بغیر دین و ایمان کی اصلاح ممکن نہیں - دنیا مقدم ہے اور آخرت مؤخر -

۱۶ - اسلامی تعلیمات کو موجودہ ذہنیتوں کے مطابق کر کے پیش کرنا حکمت ہے

۱۷ - انسان میں غصّہ ، عداوت اور محبّت کے جو جذبے اور قوتیں ہیں اور کھانے ، پینے ، پہننے کی جو خواہشیں اور جنسی میلانات ہیں وہ بہیمانہ صفتیں ہیں نیز

یہ کہ دینی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان فرشتہ خصلت بن جائے۔

۱۸۔ اسلام، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت، ہندومت، یہ تمام مذاہب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہر مذہب میں خدا کی عبادت کے جو طریقے ہیں خدا ان سے راضی ہے اور وہ اس کے پسندیدہ ہیں اور یہ کہ وید، ژند، توریت، انجیل اور قرآن یہ تمام الہامی کتابیں ہیں۔

۱۹۔ مسلمانوں میں جو مختلف فرقے ہیں مثلاً شیعہ، خارجی، قادیانی، مہدوی، بہائی وغیرہ یہ سب اسلام ہی کے فرقے ہیں ان کے جو افکار و اعمال ہیں وہ سب اسلامی ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر سب نجات پانے والے ہیں۔

۲۰۔ تکمیل دین الگ ہے اور اتمام نعمت الگ ہے۔ اتمام نعمت وہ اسرار ہیں جن کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر نہیں دی بلکہ مخصوص صحابہؓ کو دی، اور یہی علوم سینہ ہیں جو بواسطہ حضرت علیؓ دنیا میں پھیلے۔

۲۱۔ وحدت الوجود کی مروجہ تعلیم جس کا ماحصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی مخلوقات کی صورت میں موجود و ظاہر ہیں اور جس کا ثمرہ یافت و شہود حق بیان کیا جاتا ہے اور یہی قرب و صدیقیت، کمال دین و ایمان و مقام احسان کی قرآنی و نبوی تعلیم ہے، وغیرہ وغیرہ۔

المختصر کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جہل و ظلمت کے یہ تمام پردے چاک ہو جائیں اور دینِ اسلام کا صحیح اجمالی نقشہ دنیا کے سامنے آجائے۔ اور تمام انسانوں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ دینِ اسلام ہی پوری انسانیت، تمام بنی آدم کا فطری نظامِ حیات ہے۔ یہی دینِ فطرت ہے، دینِ حق ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ باطل و گمراہی ہے تاکہ اپنے خالق و رب سے غافل، انجام آخرت سے غافل انسان اپنی حقیقی ابدی زندگی بعد الموت کے نفع و ضرر کو سمجھ کر خیر و ابقیٰ زندگی اور اس کے درجات و مراتب کو مقصود بناکر راہِ ہدایت پر گامزن ہو جائے، بالفاظ دیگر، بندگی رب کا شرف حاصل کرکے اپنے رب و مولا کی عارضی و ابدی رحمتوں کا مستحق ہو جائے

بندگانِ حق ہی وہ اعلیٰ ترین انسان ہیں، جن کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ انعم اللّٰہ علیھم (جن کو اللہ تعالیٰ نے انعاماتِ خاصہ سے سرفراز کیا ہے) اور اخروی زندگی کے درجات و فضائل کے لحاظ سے ان کے مدارج بندگی کی بھی صراحت فرمادی:۔

ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولٰئك مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین (النساء)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریگا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے (کامل) انعام فرمایا، یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین و شہداء اور صالحین کے ساتھ ہونگے۔

ان میں سب سے اشرف و اعلیٰ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور صلاح و فلاح کے لئے مامور فرمایا ان کے بعد ان کی اتباع کرنے والوں میں پہلا بلند درجہ صدیقین کا ہے۔ ان کے بعد شہداء و صالحین کا درجہ ہے اس کتاب میں صالحیت و شہادت اور صدیقیت کی خالص قرآنی و نبوی تعلیم بالفاظِ دیگر دینِ فطرت، دین الٰہی، دینِ اسلام کا اجمالی تعارف ہے۔

ذہن نشین رہے کہ محض کتاب پڑھنے سے انسان کے افکار و اعمال کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ جس طرح امراض جسمانی کی کتابیں اور نسخے پڑھ کر کوئی مریض اپنا علاج نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ کسی حکیم کے پاس رجوع ہو کر اس کی ہدایتوں پر عمل نہ کرے اسی طرح امراض قلبی کا بیمار بھی صرف کتابیں پڑھ کر اپنا علاج نہیں کر سکتا۔ امراضِ قلبی کے مریض کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ قلبی امراض کے ماہر و حکیم کے پاس رجوع ہو کر اس کے حسبِ ہدایت نسخۂ شفاء استعمال کرے۔ یہی سنتِ الٰہی ہے ورنہ بسے

درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں!

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے، کہ قلبی امراض جس فاسد مادہ سے پیدا ہوتے ہیں وہ حبِ دنیا اور بعد الموت کی اصلی و ابدی زندگی سے غفلت و بے خبری ہے امراض قلبی کا حکیم وہی ہے۔ جو اس فاسد مادہ کو پہچانتا ہے۔ اور اس کو قلب

سے دور کرنے کی اوّلاً کوشش کرتا ہے۔ تا آنکہ بعد الموت کی ابدی زندگی کا اس طرح یقین ہو جائے کہ وہی اصلی زندگی ہے۔ انسانی جذبات و خواہشات کی زندگی ہے۔ اور وہیں کا نفع و ضرر اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ ورنہ جب تک یہ مادۂ فاسد قلب میں چھپا رہے گا۔ کوئی دوا اور پرہیز مفید نہ ہوگا۔ ایسے حکیم کی ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ وہ کسی صلہ و ستائش کا طالب نہیں رہتا اور وہی دوا و پرہیز تبلاتا ہے جو کتاب و سنت میں متعین ہے۔

یہ توفیقِ الٰہی انسانی اور دینی برادری کی اصلاحِ حال کی یہ ایک مقدور بھر کوشش ہے۔ بفضلہٖ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ۔

اِن اُرِیدُ اِلاَّ الاِصلاحَ مَا استَطَعتُ وَمَا تَوفِیقِی اِلاَّ بِاللّٰہ



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

انسان کی جہالت اور عجز وفقر کا جائزہ

انسان اگر اپنی حالت پر غور کرے تو اُسے معلوم ہوگا کہ وہ خود اپنے لئے کوئی راہ متعین نہیں کرسکتا۔ بلکہ ماحول کے حالات اور نفس کی خواہشات اور لذات کی طلب اس کو جس راہ پہ ڈال دیتی ہے اسی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ہر فانی قوت کے آگے اس طرح جھک جاتا ہے کہ اچھی عادتوں کو ترک کر دیتا ہے مشکلات و مصائب میں اس قدر مایوس، سراسیمہ و حیران ہوجاتا ہے کہ غیرت و خود داری سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا منکر اور اللہ تعالیٰ سے ناامید ہو جاتا ہے، اتنا محتاج و عاجز ہے کہ کسی سرپرست، معاون و رہبر کے بغیر بچپن وشباب کے منازل طے نہیں کرسکتا اور زندگی کی کسی مشکل کو حل نہیں کرسکتا۔ آرام و اطمینان چاہتا ہے مگر فکر و آلام میں مبتلا رہتا ہے۔ امن و راحت چاہتا ہے مگر خوف وحزن دامنگیر رہتے ہیں۔ حزن وغم سے جتنا بھاگتا ہے اتنا ہی ان سے دوچار ہوتا ہے۔ فراغت و خوشحالی اگر نصیب ہوتی ہے تو اپنے ہی مقرر کردہ قانون و فرائض کو توڑ دیتا ہے۔ اور اپنے ذاتی اغراض کے مقابلہ میں دوسروں کے حقوق پامال کر دیتا ہے۔ مدنی و منزلی زندگی کے ضابطے بناتا ہے۔ تو تمدن و معاشرت کا اعتدال بگڑ جاتا ہے نہ اخلاق و کردار کی درستگی کے آئین مقرر کرتا ہے تو بد اعمالیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اخلاقی پستی بڑھ جاتی ہے۔ حفظانِ صحت کے اصول بناتا ہے تو نئے نئے امراض پھوٹ پڑتے ہیں

صیانتِ حقوق کے لئے قوانین وضع کرتا ہے تو ظلم و حق تلفی بڑھ جاتی ہے، تعزیری احکام نافذ کرتا ہے تو جرائم میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ امن و سلامتی کے بین الاقوامی معاہدے مرتب کرتا ہے تو جنگ و جدال کی نت نئی صورتیں نکل آتی ہیں، غرض امن کی ہر کوشش سے جنگ۔ صلح کی ہر تجویز سے فساد رونما ہوتا ہے۔ بناؤ سنوار کی ہر کوشش بگاڑ کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ راحت و آسائش کے لئے جو چیز ایجاد کی جاتی ہے وہ تباہی و بربادی کا سامان بن جاتی ہے۔ یہ محض خیالات نہیں واقعات ہیں اور یہ واقعات اس حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ انسان اپنے حقیقی نفع و ضرر کو معین نہیں کرسکتا ہے اور یہ کہ نفع حاصل کرنے اور ضرر سے بچنے کی تدابیر اور اپنی صلاح و فلاح کی تجاویز مرتب کرنے کی قابلیت انسان میں نہیں ہے اور ان ہی معنی میں وہ اپنی زندگی کا مالک و مختار نہیں ہے بلکہ ایک اعلیٰ و عظیم فرماں روا جو انسان اور تمام کائنات کا خالق و رب ہے وہی انسان کا مالک و مختار ہے۔ یہی اعلان حق ہے۔

وربك يخلق ما يشاء ويختار ، ما كان لهم الخيرة ۰ (القصص ع)

(ترجمہ) اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور مختار کل ہے۔ ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا حق نہیں ہے (یعنی تجویز احکام کی قابلیت نہیں ہے۔)

اور یہ حقیقت بھی ثابت ہو رہی ہے کہ انسان اپنے خالق کا محکوم و مملوک (بندہ) ہے اور اپنی صلاح و فلاح میں اپنے رب کے احکام و ہدایات و علم کا محتاج ہے جیساکہ آیت ذیل سے ثابت ہے۔

یا یہا الناس انتم الفقراء الی اللہ (الفاطر ع۲)

(ترجمہ) اے لوگو تم اللہ ہی کے محتاج ہو۔

انسان اس عالم میں کیوں پیدا کیا گیا خالق اور دوسری مخلوق سے اس کا فطری تعلق کیا ہے ہر ایک کے حقوق و فرائض کیا ہیں یہ وہ مسائل ہیں۔ جن سے انسان کو جہل ہی جہل ہے۔ جاہل محتاجِ علم ہوتا ہے انسان کو پیدا

کرنے والا جو انسان کی ہر حاجت کو پورا کر رہا ہے وہی علم کی احتیاج کو بھی پورا کرے گا اس کے سوا انسان کو کوئی اور صحیح علم و ہدایت نہیں دے سکتا۔ خالق انسان نے ایک دستور رحمت نازل فرماکر انسان کو علم و ہدایت کی روشنی بخشی اور وہ تمام احکام نازل فرمائے جو ایک غلام و بندہ کی صلاح و فلاح کے لئے ضروری ہیں اور اس طرح تمام انسانوں کو بندگی رب کا حکم دیا۔

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (بقرہ ع۳)

(ترجمہ) اے لوگو! اپنے رب کی بندگی کرو جو تمہارا بھی خالق ہے اور جو تم سے پہلے گزرے ہیں ان کا بھی خالق ہے تو تم متقی بن جاؤ گے۔

تاکہ انسان خالق و مخلوق دونوں کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہوجائے اور انسان کی زندگی فاسد عناصر سے پاک اور افراط و تفریط سے محفوظ رہے اور انسان اپنے فطری جذبۂ حکومت کا صحیح استعمال کرکے امن و سلامتی اور عدل و احسان کی دنیا آباد کرے اور نتیجتاً حیات بعد الموت کو بہتر سے بہتر بنا لے یعنی منزل مقصود کو پالے یہ تمام امور لعلکم تتقون کے مفہوم میں داخل ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ "انسان اپنی صلاح و فلاح میں آسمانی ہدایات کا محتاج نہیں ہے اور خدا نے انسان کی ہدایت کے لئے کوئی ہدایت نامہ نازل نہیں فرمایا" یہ محض جہالت کی باتیں ہیں ان لوگوں نے انسان اور خالق انسان کے فطری تعلق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

ان حالات پر غور کرنے کے بعد یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ فطری طور پر انسان جس رب اعلیٰ و عظیم کا محتاج ہے اسی سے برگشتہ ہے جس کی وجہ سے فتنہ و فساد اور خون خرابہ میں مبتلا ہے۔ حاکم و محکوم اقوام دونوں کے دل و دماغ پر آج جو غیر فطری افکار و خیالات مسلط ہیں دونوں میں جو انسانیت سوز اعمال پائے جاتے ہیں ادنیٰ و متوسط طبقہ جن معاشی مشکلات میں مبتلا ہے اور سرمایہ داروں کے خلاف مزدور و غریب طبقہ جو بغاوت و جارحانہ

اقدام پر آمادہ ہے یہ سب اپنے رب و مولا سے احتیاج و غلامی کی نسبت منقطع کرنے کا نتیجہ اور اپنے رب و مولا کی تعلیم سے روگردان ہونے کا قدرتی رد عمل ہے۔ فرد ہو کہ جماعت کسی کو سکون و چین نصیب نہیں اور انسان انسان سے خائف ہے اس عارضی زندگی کا یہ نقصان ابدی زندگی کے ابدی نقصان کا پیش خیمہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

دین فطرت کی پہچان

آج کل کے مذہبی پیشواؤں و رہنماؤں کی یہ غلط تحریک کہ "تمام مختلف مذاہب حق ہیں کسی کو کسی پر فوقیت و برتری نہیں" محض اس وجہ سے پھیلتی جارہی ہے کہ کہنے والے اور سننے والے انسان کی فطرت سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ افسوس کہ ان ناواقفوں میں مسلمان بھی ہیں۔ انسان کی یہ ناواقفیت اس کی عارضی و ابدی تباہی کا سبب تو بن سکتی ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ انسانیت ایک ہی ہے، تمام انسانوں کے فطری جذبات و خواہشات ایک ہی ہیں۔ اور سب انسان ایک ہی خدا کے بندے ہیں، اس لئے سب انسانوں کا ایک ہی دین ہونا عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و منقاد ہے اور اسی اطاعت و انقیاد کی وجہ سے تمام کائنات کے نظم میں یکسانیت پائی جاتی ہے، جس میں کوئی خلل نہیں ہے۔ نظام کائنات کی اس یکسانیت سے انسان کی بقاء و صحتِ جسمانی میں اعتدال و توازن قائم ہے اور اس کی وہ تمام خواہشات بقاءِ حیات سے جن کا تعلق ہے پوری ہورہی ہیں انسان کی ایک فطری خواہش یہ بھی ہے کہ اس کی زندگی میں اعتدال و توازن قائم رہے یعنی فتنہ و فساد، ظلم و حق تلفی سے محفوظ ہو اور اس کو ایک ابدی اعلیٰ و لازوال زندگی حاصل ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ تمام انسانوں کا ایک ہی دین الٰہی ہو۔

دین فطرت، فطرتِ انسانی کا آئینہ ہے اس وجہ سے مشکل نہیں سہل ہے۔

اور سکون بخش بھی ۔ اس کے قبول کرنے میں قلب انسانی کوئی تنگی اور گرانی محسوس نہیں کرتا ۔ نہ اس کے احکام اور ہدایات انسانی غیرت و خود داری کے خلاف ہیں اور نہ ایک انسان کو دوسرے انسان کی غلامی اختیار کرنے پر اور نہ دوسرے انسان کا فقیر و محتاج بن کر رہنے پہ مجبور کرتے ہیں دین فطرت میں انسان کو اس کی فطری خواہشات کی نشان دہی کی گئی ہے اور صحیح طریقہ سے تمام خواہشات کو پورا کرنے کی تعلیم ہے ۔ یہی دین فطرت کی پہچان ہے ۔

انسان میں انس و محبت کا جذبہ بھی ہے اور بغض و عداوت کا جذبہ بھی اطاعت و انقیاد کا جذبہ بھی ہے اور حکومت و فرماں روائی کا بھی ۔ اس میں غصہ بھی ہے اور رحم و کرم بھی ۔ حرص بھی ہے اور قناعت بھی ۔ دین فطرت میں ان سب جذبات کی تربیت ہے تاکہ جذبات کے استعمال کا محل صحیح ہو جائے ۔ جس دین میں فنائے جذبات کی تعلیم ہو وہ دینِ فطرت نہیں ہے ۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں ایک بے خوف و حزن ، امن و سلامتی کی زندگی چاہتا ہے لیکن بہت کم لوگ انسان کی اس چھپی ہوئی خواہش سے واقف ہیں کہ وہ ایک ابدی غیر فانی پر مسرت زندگی بھی چاہتا ہے اور اس سے بھی ناواقف ہیں کہ انسان میں اپنے خالق و رب سے ملنے اور اس کو دیکھنے کی خواہش بھی ہے دینِ فطرت میں انسان کو ان پوشیدہ فطری خواہشات سے باخبر کیا گیا ہے ۔ دینِ فطرت کو قبول کرنے کے بعد جب انسان کے فطری جذبات کی تربیت ہو جاتی ہے تو انسان کی زندگی میں اعتدال و توازن قائم ہو جاتا ہے اور انسان صالح و نیک بنتا جاتا ہے ۔ انسان کی یہی صالحیت انسان کے مذکورہ باطنی فطری خواہش (یعنی ایک ابدی غیر فانی پرمسرت زندگی اور دید و لقاءِ رب) کی تکمیل کا الٰہی ذریعہ ہے جس کے ضمن میں اس دنیا کی زندگی میں بھی امن و سلامتی نصیب ہوتی ہے اور اس کی زندگی کے کاروبار عدل و احسان کی بنیادوں پہ انجام پاتے ہیں اور اس کا جذبۂ حکمرانی نفس کی شرارتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے

جس کے بعد فتنہ و فساد کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا۔

دینِ فطرت میں اس خیال کی گنجائش ہی نہیں کہ دنیا علیحدہ ہے اور دین علیحدہ کیونکہ کھانے' پینے' پہننے' رہنے' سہنے کی خواہشات' جنسی میلانات اور زندگی کے تمام کاروبار' تجارت' زراعت' معاشرت' سیاست' وغیرہ کو احکام و ہدایاتِ رب کے تحت انجام دینا ہی دین ہے۔ اور اس طرح احکام و ہدایاتِ ربانی کے مطابق زندگی بسرکرنا خدا کی عبادت کرنا ہے یعنی اپنی فطری حیثیت بندگی رب پر قائم ہوجانا ہے تاکہ فلاح دارین حاصل ہو گویا عبادت راعی اور رعیّت کے تعلق کی طرح بندہ اور اللہ کا ایک دستوری تعلق نہیں ہے بلکہ فطری و حُبّی تعلق ہے جس کے قائم ہوجانے کے بعد انسان کی زندگی سرتا پا بندگیٔ رب کی تعریف میں داخل ہو جاتی ہے۔ عبادت کے اس جامع اور وسیع مفہوم سے ناواقف ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ عبادت کو چند مخصوص اعمال کی حد تک محدود سمجھتے ہیں۔

نیز بندگی کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ بے بسی اور بے چارگی کا نام ہے لغو بات ہے اللہ سے بندگی کا تعلق تو وہ بلند و اعلیٰ نسبت ہے جو انسان کو تمام مخلوق کی غلامی سے آزاد کرا کے اس کو ایک جری و باہمّت انسان بنا دیتی ہے۔ اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ دین ایک ذمہ داری ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر عاید کی ہے۔ بلکہ دینِ حق' دینِ فطرت' دینِ اسلام انسانی فطرت کا تقاضا تھا جس کو اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل ورحمت سے پورا فرما کر انسان کی حاجت روائی فرمائی اور اس فضل و رحمت پر مسرور و شاداں رہنے کا حکم دیا۔

قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا (سورہ یونس)

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کا فضل و رحمت ہے بس لوگوں کو اس پر مسرور ہوجانا چاہیئے

دینِ فطرت میں انسان کو عقل و دانش سکھائی گئی ہے انسان کو اس کی اصلاح کے لئے علم وحکمت کی تعلیم دی گئی ہے جو علم برائے عمل ہو' اصلاح

عمل کے لئے ہو وہ محض کتابیں پڑھنے سے سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک کہ اس کے ماہر سے حاصل نہ کیا جائے دینِ فطرت کی تعلیمات کو سمجھ کر اس پر گامزن ہونے کے لئے بھی ایک دین کے ماہر کی صحبت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کرنا ضروری ہے اس کے بغیر قرآنی بصیرت کما حقہٗ پیدا نہیں ہوتی۔ دین کے ماہر وہی حضرات ہوتے ہیں جو قرب و صدیقیت کے مقام پر فائز کئے جاتے ہیں۔(قرب وصدیقیت کی تشریح کتاب کے آخری حصے میں ملاحظہ ہو۔)

اس انداز سے سوچنا اور سمجھنا کہ دین فطرت' دینِ اسلام میں زندگی کے پیچیدہ مسائل کا کیا صحیح حل ہے درپردہ اس نقص وخامی کا اظہار ہے کہ سوچنے والوں کے پیش نظر اسی دنیا کا نفع وضرر ہے جو لوگ اسی طرح سوچتے اور سمجھتے ہیں ان کا طریقۂ دعوت کما حقہٗ منہاج نبوت پر نہیں ہوتا، دنیا پرست لوگ دنیاوی اقتدار حاصل کرنے کے لئے جن اشتہاری طریقوں کو ایجاد و اختیار کرکے اپنی تحریکات کو مقبول عام بنانے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ بھی ویسی ہی روش اختیار کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی انقلاب بھی اسی طریقہ سے برپا کیا جا سکتا ہے مثلاً اسی نوعیت کے اخبارات و رسائل کا اجراء، افسانہ نویسی، تمثیل نگاری، ادبی جلسے وغیرہ حالانکہ دین فطرت کو سمجھنے اور سمجھانے کا صحیح انداز فکر یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کیا حقیقی تصور اور انسان کا کیا حقیقی نفع و ضرر دینِ فطرت میں پیش کیا گیا ہے اور ضرر سے بچنے اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے کیا فطری ذرائع بیان کئے گئے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کا کیا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ جس کو اختیار کئے بغیر کوئی شخص منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔

اسی سلسلہ میں چند ضروری باتیں عرض کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں:۔

لفظ دین جو کتاب وسنت کا لفظ ہے اس کو بدل کر لفظِ تحریک استعمال کرنا اور اس عمل کو جائز قرار دینے کے لئے یہ دلیل پیش کرنا کہ" دین کا لفظ اتنا پرانا ہو گیا ہے کہ تعلیم یافتہ افراد اس لفظ کو سن کر اسلام کی طرف

متوجہ نہیں ہوتے" صحیح استدلال نہیں ہے، بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی اتباع ہے۔ بلکہ چاہیئے یہ کہ امتداد زمانہ سے کتاب و سنت کے الفاظ کے صحیح مفہوم پہ جو پردے پڑ جاتے ہیں ان کو چاک کرکے ان الفاظ کا قرآنی مفہوم واضح کیا جائے نہ یہ کہ کتاب و سنت کے الفاظ ہی کو بدل دیا جائے لفظِ دین میں اطاعت و فرماں برداری اور ابدی جزائے اعمال اور یوم قیامت کا جو قرآنی مفہوم ہے وہ کسی طرح لفظِ تحریک سے واضح نہیں ہوتا غالباً یہی وجہ ہے کہ ایسے حضرات کی تقاریر و تحریر میں اخروی زندگی کو نمایاں کرکے پیش نہیں کیا جاتا اور نہ ابدی نقصان سے ڈرایا جاتا ہے اور نہ اس انداز سے تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دین اسلام کو بگڑی ہوئی ذہنیتوں کے مطابق بناکر پیش کرنا "حکمت" ہے حالانکہ انبیائی، قرآنی طریقۂ دعوت یہ ہے کہ بگڑی ہوئی ذہنیتوں کو دینِ فطرت کے مطابق بنانے کی جد و جہد کی جائے

تبلیغی و اصلاحی جد و جہد کرنے والوں کا طریقۂ کار مذکورۂ بالا لغزشوں سے بالکل پاک ہونا چاہیئے۔ جو حضرات تبلیغی و اصلاحی کام کر رہے ہیں دعا ہے کہ ان کی جد و جہد کے کسی پہلو میں کوئی خامی و نقص نہ رہے اور تعلیم و تربیت و دعوت کا طریقہ بالکلیہ نبوی ہو جائے۔

یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ ایک معلمِ فطرت، کامل نمونۂ بندگی سامنے رکھے بغیر طالبِ حق، دینِ فطرت کو اختیار کرکے نہ بندگیِ رب کا شرف حاصل کر سکتا ہے نہ مدارجِ بندگی پر فائز ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمۃ للعلمین

معلم انسانیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم!

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ انسان ہی کو دیکھ کر انسان بنتا ہے۔ انسان بننے کے لئے یعنی بندگیٔ رب کا شرف اور خلافت الٰہی کا منصب حاصل کرنے کے سئے ہدایتِ ربانی کے علاوہ انسانوں کو ایک کامل نمونۂ بندگی اور کامل نمونۂ انسانیت و خلافت کی ضرورت تھی جو اللہ رحمان و رحیم کے تمام بندوں کے لئے ایک عملی نمونہ ہو ایسی مجسم رحمت شخصیت کا دنیا میں تشریف لانا اور آنے والی نسلوں کے لئے اس کی حیاتِ طیبہ کے نقوش واضح طور سے قیامت تک دنیا میں محفوظ رہنا انسانوں کی ایک فطری ضرورت ہے تاکہ حق کے پیاسے اسی آبحیات سے اپنے گلشن حیات کو تر و تازہ رکھیں۔ خالقِ انسان نے انسانوں ہی میں سے جس برگزیدہ ہستی کو بندگی و انسانیت کا کامل نمونہ بنا کر طالبانِ حق کا رہبر و ہادی بنایا اور انسان کی فطری ضرورت کو پورا کیا وہ ذات اقدس

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

ہیں۔ سہ

سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے .... (حفیظ)

آپؐ کی رسالت ایک اتنی اٹل حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ دیگر مذاہب کے اہل فکر بھی آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ ہندستان کے مشہور رہبر قوم مسٹر گاندھی بھی آپؐ کی رسالت کے قائل تھے، لیکن یہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپؐ صرف ایک ملک و قوم کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ بلا لحاظ نسل و قوم تمام انسانوں کے لئے آپ کو اللہ کا آخری رسول اور ہادی برحق تسلیم کرنا ان کی سمجھ میں نہیں آیا حالانکہ اعلان حق ہے:۔

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (الاعراف)

(ترجمہ) اے انسانوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

آپ قیامت تک تمام انسانوں کیلئے ہادی برحق ہیں

خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرما دی کہ مجھ سے پہلے ہر نبی ایک خاص قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے جاتے رہے اور میں تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

کان النبی یبعث الیٰ قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ (متفق علیہ)

(ترجمہ) ہر نبی خاص قوم کے لئے تھے اور میں تمام انسانوں کے لئے ہوں۔

حدیث مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔

ارسلت الی الخلق کافۃ

(ترجمہ) میں تمام خلق (کی ہدایت) کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

ان ارشادات کا واضح مطلب یہی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لحاظ رنگ و نسل، ملک و قوم، تمام بنی نوع انسان کے لئے اللہ کے رسول اور ہادی برحق ہیں اسی وجہ سے یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ علماً و عملاً اسی ہادی برحق کی اتباع کے بغیر کوئی انسان اپنی فطری خواہشات اور تمناؤں کو پوری نہیں کر سکتا یعنی دنیا و آخرت میں اس کو بامراد زندگی حاصل نہیں ہو سکتی

فالذین امنوا بہ و عزروہ و	پس جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے
نصروہ واتبعوا النور الذی	ہیں اور ان کی حمایت کرتے اور ان کی مدد
انزل معہ اولئک ھم المفلحون	کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو
(الاعراف - ۱۹)	ان کے ساتھ بھیجا گیا ایسے ہی لوگ فلاح پانے
	والے ہیں۔

اور یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ آپ ہی کی پیروی کرنے سے انسان انتشار و پراگندگی و گمراہی کی گھاٹیوں سے نکل کر امن و سلامتی و ہدایت کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے

واتبعوہ لعلکم تھتدون

ایک طرف تو یہ اعلانات حق ہیں دوسری طرف حسب ذیل واقعات ہیں۔

۱ - جس جماعت نے آپ کو اللہ کا رسولؐ تسلیم کرکے آپ کی اتباع میں منازل ہدایت کو طے کیا اس میں ہر ملک و قوم و نسل کے انسان شامل تھے، عربی بھی تھے، حبشی بھی تھے، رومی و ایرانی تھے، یہودی و نصرانی بھی تھے، آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کے ان متبعین اور جانشینوں کے ذریعہ اسلام زمین کے مختلف گوشوں میں پھیلا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ تقریباً ہر ملک و قوم و نسل کے انسان حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور انسانیت کا مقام، بندگیٔ رب کا شرف حاصل کیا۔

۲ - آپ کی رسالت سے پہلے تمام دنیا کی تاریخ تبلاتی ہے کہ ہر ملک و قوم میں سو، دوسو، چارسو، پانسو، سال کے بعد اللہ کی طرف سے رسول، نبی اور جن کو ہندو اپنی زبان میں اوتار کہتے ہیں پیدا ہوتے گئے مگر رسالتِ محمدیہ کے بعد سے دنیا کے کسی ملک و قوم میں کوئی رسول نہیں آیا۔

۳ - حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں جتنے بھی انبیأ علیہم السلام پیدا ہوتے رہے آج دنیا کے سامنے نہ ان کی لائی ہوئی خالص الہٰی تعلیمات ہیں اور نہ دنیا کے سامنے ان کی زندگیوں کا کوئی نمونہ ہے۔ اس کے برخلاف آنحضرتؐ پر نازل کی ہوئی الہٰی کتاب آج تک لفظاً و معناً اپنی اصلی زبان

و اصلی حالت میں ہے۔ ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ زبان ایک زندہ اور کاروباری زبان ہے اور آنحضرتؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ بھی بطور اسوۂ حسنہ محفوظ ہے۔

۴۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں، ہر ملک ونسل و قوم میں آپ کے نام لیوا، آپ کے متبعین پھیلے ہوئے ہیں اور دن میں پانچ مرتبہ آپ کے رسول اللہ، تمام انسانوں کے لئے ہادی برحق ہونے کا، اور آپ کی تعلیمات تمام انسانوں کے لئے موجبِ صلاح وفلاح ہونے کا اعلان کرتے رہتے ہیں اگرچہ کہنے والوں کی آواز میں وہ ایمانی قوت نہیں ہے جو ہونی چاہیئے نیز دینی تعلیمات کی ناواقفیت کی وجہ سے کما حقہٗ علماً وعملاً، صورتاً و سیرتاً اتباعِ رسالت بھی نہیں ہے مگر دنیا آپ کے حقیقی متبعین سے خالی بھی نہیں ہے۔

۵۔ اس کامل نمونۂ بندگی و انسانیت سے جو حضرات فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے دنیا سے گندگی وبہیمیت دور کرکے دنیا کو انسانیت کا جو سبق دیا دنیا اس کو فراموش نہیں کرسکتی۔ آج اقوام عالم میں انسانیت کے جو کچھ مٹے ہوئے ظاہری آثار پائے جاتے ہیں وہ انہی حضرات کے نقوشِ پا ہیں اگر اقوام عالم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر غور کریں تو اپنے کو ان ہی حضرات کے احسانات سے گرانبار پائیں گی۔ ان متبعینِ رسالت اور ان کے شاگرد جن کا سلسلہ قرناً بعد قرنٍ صدہا برس سے جاری ہے ان کی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو پاکیزگی وصالحیت ان کی زندگیوں میں نظر آتی ہے وہ کسی اور غیر اسلامی نظامِ زندگی کا اتباع کرنے والوں میں نظر نہیں آتی آج بھی مسلمان اگرچہ بڑی حد تک علماً وعملاً اتباعِ رسالت کی سعادت سے محروم ہیں لیکن جس حد تک بھی متبعِ رسالت ہیں اس کا یہ فیض وبرکت ہے کہ دیگر اقوام کے افراد کے مقابلہ میں ظلم و حق تلفی، سنگ دلی، بیرحمی ان میں بہت کم ہے۔ یہ ایک آنہ ظلم و حق تلفی کرتے ہیں تو دیگر اقوام کے افراد سولہ آنے ظلم و بے رحمی پر

کمربستہ ہو جاتے ہیں ۔ ہندستان و حیدرآباد کا حالیہ انقلاب اس حقیقت کی ایک تازہ تاریخ ہے اگرچہ یہ ایک آدھ ظلم و زیادتی و بے رحمی بھی اسلام کے دامن پر نہایت بد نما داغ ہے ۔

٦ ۔ اسلامی دور حکومت جس کی مدت ایک ہزار برس سے زیادہ ہے (خلفاء راشدین سے لیکر مغلیہ دور حکومت تک) اگرچہ خلفائے راشدین کے دور حکومت کی آب و تاب بعد کے زمانہ میں نہیں تھی لیکن اصولاً نظام حکومت بڑی حد تک وہی تھا اس کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ زندگی کے جو مسائل آج کی ترقی یافتہ دنیا کو پریشان کئے ہوئے ہیں مثلاً بے روزگاری ' معاشی حیرانی و پریشانی ، مزدور و سرمایہ دار کی کش مکش ، کساد بازاری ، نفع اندوزی ' قحط ' غلہ کی قلت ، مساوات مرد و زن کا غیر فطری نظریہ ، جنسی بے روک تعلقات کی معاشرتی تباہ کاریاں ، ملکی و نسلی طبقہ واری نزاعات ، جرائم اور انفرادی جھگڑوں کی کثرت ، وغیرہ جیسے فتنہ سامانیوں کا اس دور حکومت میں شائبہ بھی نظر نہیں آتا ۔ نیز عرب سے ہسپانیہ تک اور چین و ہندستان سے افریقہ تک اس سازگار فطرت فضاء سے زمین معمور دکھائی دیتی ہے جس میں ہر ملک و قوم کے انسان ایک ہی آستانۂ حق پر سر افگندہ پائے جاتے ہیں ' ایک ہی رشتۂ اخوت و محبت میں منسلک نظر آتے ہیں نہ قومی و ملکی و نسلی امتیازات تھے اور نہ جغرافیائی حدود کی تفریق جو ایک ہی ہادی برحق کی اتباع کا اثر و فیض عام تھا ۔

٧ ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے کا جو مقصد اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو ۔

ایک مقصد تو یہ ہے کہ بندوں کو علم و حکمت اور عقل و دانش مندی سکھائی جائے تاکہ بندے اصلی و ابدی خیر و شر کو سمجھیں اور نفس کی شرارتوں سے محفوظ رہتے ہوئے پاکیزہ زندگی بسر کریں اور اصلی و ابدی خیر ' آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی کے مستحق ہو جائیں ۔

ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم (بقرہ ۱۶۵)

(ترجمہ) ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے ہیں اور ان کو پاکیزہ بناتے ہیں۔

اور دوسرا مقصد انسانوں کو یہ تعلیم دینا ہے کہ کون سے کام اور کونسی چیزیں انسانوں کی صحت و اخلاق و کردار کے لئے مفید (حلال) ہیں اور کونسے کام اور کونسی چیزیں انسانوں کے لئے مضر صحت و اخلاق (حرام) ہیں اور یہ کہ بادشاہی و مذہبی اقتدار کے نام سے انسانوں نے دوسرے انسانوں کی گردن میں جو غلامی کا طوق ڈال رکھا ہے اس کو نکال کر انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی جائے تاکہ ہر انسان اپنی فطری قابلیتوں سے کام لینے کے قابل بنا رہے۔

ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم ❊ اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے
الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم ❊ ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں
والاغلٰل التی کانت علیھم ط ❊ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو
(الاعراف ۱۹) ❊ دور کرتے ہیں۔

ان اصلاحی مقاصد کو سامنے رکھ کر فطرتِ انسانی کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ فطرتاً ہرانسان علم و حکمت کا پیاسا ہے اور عقل و دانشمندی اور اس دنیا میں پاکیزہ زندگی اور ایک ابدی بامراد زندگی کا تمنائی و دلدادہ ہے اور فطرتاً ہرانسان ان ہی چیزوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی عارضی و ابدی زندگی کے لئے نفع بخش (حلال) ہیں اور ان چیزوں کو ناپسند کرتا ہے جو اس کی عارضی و ابدی زندگی کے لئے مضرت رسان یعنی حرام ہیں اور فطرتاً ہر انسان کسی انسان کی غلامی کو پسند نہیں کرتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تمام انسانوں کی وہی فطری خواہشات ہیں جو آپ کی بعثت، تمام انسانوں کے لئے ہادی بناکر بھیجنے کا مقصد ہے۔

۸۔ نیز آج وہ کس ملک کے لوگ اور وہ کون سی قوم ہے جو غیرفطری راہوں پہ چل کر بڑی بڑی ٹھوکریں کھانے کے بعد آپ ہی کی لائی ہوئی تعلیمات کو اختیار نہیں کر رہی ہیں۔ مثلاً

الف :- انسانی مساوات کا پرچار -

ب :- دولت کی منصفانہ تقسیم کی تجویزیں -

ج :- عورتوں کے لیے وراثت و طلاق کا جواز -

د :- انسداد مسکرات کے مساعی -

ﮦ :- عقد بیوگان کا جواز -

و :- بت پرستی کے خلاف آریہ سماجی جد و جہد -

ز :- مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کے قوانین کا نفاد وغیرہ وغیرہ-

کیا یہ سب آپؐ ہی کے لائے ہوئے علم و حکمت کی خوشہ چینی نہیں ہے -

اور کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ آج دنیا میں صرف آپ ہی کی لائی ہوئی تعلیمات زندہ ہیں اور انسان کی صلاح و فلاح کا واحد ذریعہ ہیں اور ہر اس شخص کو جو ابدی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اس عالم میں ایک پاکیزہ زندگی چاہتا ہے حیاتِ طیبہ کی دعوت دے رہی ہیں -

یہ تمام واقعات اور مذکورہ اعلانات حق اس بات کے حق ہونے کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات ہر ملک، قوم و نسل کے انسان کے لئے یکساں قابلِ قبول ہیں اور آپؐ تمام انسانوں کے لیے اللہ کے آخری رسول، آخری ہادیؐ برحق ہیں - تعصب، جہل اور ہٹ دھرمی کے پردوں کو چاک کر کے غور کیا جائے تو اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں -

ھادی کا مطلب ہے "صراط مستقیم" سیدھی راہ کی نشان دہی کرنیوالا

اور اس راہ پر لے چلنے والا - "صراط مستقیم" سیدھی راہ - یہ لفظ ہی بتا رہا ہے کہ ایک منزل ہے جس پر پہنچنے کی یہ راہ راست ہے اور وہ منزل مقصود وہی ہے جو انسان کی اصلی باطنی خواہش ہے "الجنۃ" "ابدی خیر و ابقیٰ زندگی" اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے دعوت دی ہے - واللہ یدعوا الی الجنۃ والمغفرۃ باذنہٖ

(البقرہ) (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تم کو جنت و مغفرت کی طرف بلاتے ہیں اپنے حکم سے -

اہل کتاب کے لئے بھی آپ کی اتباع لازمی ہے

مسلمانوں میں بھی بعض دینی بصیرت نہ رکھنے والے لوگ یہ فتنہ پھیلا رہے ہیں کہ اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ جو ایک نبی کو مانتے ہیں ان کو اپنی صلاح و فلاح کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری نہیں ہے اور اپنی اس کافرانہ ذہنیت کو قرآن ہی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں شاید قرآن مجید کی ایسی ہی تاویلات کے متعلق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "تاویل الجاہلین" فرمایا ہے حالانکہ قرآن مجید میں اہلِ کتاب کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ رضائے حق کے طالب کو نورِ رسالت ہی کے ذریعہ سلامتی کی راہ پر چلنے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی ہدایت نصیب ہوگی اور نور رسالت ہی کے ذریعہ ظلم و جہل کی گھاٹیوں سے نکال کر علم و ہدایت کی روشنی بخشی جائے گی۔

یااھل الکتٰب قد جاءکم رسولنا	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول
یبیّن لکم کثیراً مما کنتم تخفون	آئے ہیں کتاب میں سے جن امور کا تم اخفا کرتے
من الکتٰب و یعفوا عن کثیرٍ ۃ	ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے
قد جاءکم من اللہ نورٌ و کتٰبٌ	صاف بیان کر دیتے ہیں اور بہت امور کو درگزر
مّبین ۙ یھدی بہ اللہ من	کر دیتے ہیں پس تمہارے پاس رب کیطرف سے ایک
اتّبع رضوانہ سبل السّلٰم	روشنی اور واضح کتاب آئی ہے اس کے ذریعہ
ویخرجھم من الظلمٰت الی	سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے
النور باذنہ ویھدیھم	طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور
الی صراط مّستقیم ۃ (المائدہ-۳)	ان کو اپنی توفیق سے (کفر و معصیت کی تاریکیوں
	سے نکال کر (ایمان و اطاعت کے) نور کی طرف لے
	آتے ہیں اور ان کو (ہمیشہ) راہ راست پر قائم رکھتے ہیں

نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرما دیا کہ اب اگر موسیٰؑ بھی ہوتے تو میری اتباع کرتے۔

ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی (احمد و بیہقی)

تو اس کے بعد ایسے باطل خیالات جہل مرکب نہیں تو اور کیا ہے کاش یہ لوگ صحیح دانش و بینش حاصل کرنے کی کوشش کرتے واقعہ یہ ہے کہ ایمان بالرسالت واتباعِ رسالتِ محمدیہؐ ایمان باللہ کا ایک ایسا ضروری جزء ہے کہ اس کے بغیر ایمان باللہ لایعنی بات ہے اور ایمان باللہ کا ادعا ایک فریب نفس ہے۔

ختم نبوت بعض دنیا پرست نام نہاد مذہبی پیشوا ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں اور ظلی و بروزی[1] نبوت کے نام سے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے کا جو قرآنی اعلان ہے اس کی تشریح خود آنحضرت صلعم ہی نے فرما دی ہے کہ سلسلۂ نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔

ختم بی النبیون (مسلم)

اور اپنا ایک نام مبارک "العاقب" فرما کر یہ وضاحت کر دی کہ :-

والعاقب الذی لیس بعدہٗ نبی" (متفق علیہ)

اور یہ بھی خبر دے دی کہ آپ کے بعد نبوت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہوں گے

وانہٗ سیکون فی امتی کذابون ٭ اور قریب ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے
ثلثون کلھم یزعم انہ نبی اللہ ٭ نبوت کے دعویدار پیدا ہوں گے اور حالانکہ میں
وانا خاتم النبیین لانبی بعدی ٭ خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں
الی آخرہ (ابی داؤد و ترمذی)
٭

ان مسلمانوں کی دینی ناواقفیت اور بے سمجھی پر افسوس ہوتا ہے جو ایسے دجال و کاذب مدعیانِ نبوت کا ساتھ دے رہے ہیں اور قصبۂ قادیان کو مثل مدینہ منورہ سمجھتے ہیں۔

ایمان بالرسالت دین فطرت کا بنیادی عقیدہ ہے حضرت محمد رسول اللہ

[1] - نبی سے نبی بننا۔

صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لانا دین کا ایک بنیادی اور اہم عقیدہ ہے ، اہلِ باطل اور حق کے پیاسوں کے سامنے اولاً یہی صداقت پیش کی جائے گی باطل اپنی پوری مخالفانہ قوت یہیں صرف کریگا حق و باطل کا یہ اوّلین معرکہ ہے اور معرکۂ حق و باطل کا یہی پہلا مورچہ ہے ۔ حق کا کامیاب قدم اسی مورچہ سے آگے بڑھتا ہے ۔ اور بڑھتا ہی چلا جاتا ہے مگر ضروری یہ ہے کہ افہام و تفہیم کا انداز کلامی نہ ہو بلکہ قرآنی ، فطری ہو جب رسالتِ محمدیہؐ کی صداقت سمجھ میں آجاتی ہے اور تسلیم کر لی جاتی ہے یعنی یہ مان لینے کے بعد کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں ، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے تمام بندوں کی صلاح و فلاح کیلئے مامور فرمایا ہے، اور مامور من اللہ کی جو بصیرت ، ہدایت و نصیحت و روش ہوتی ہے وہ چونکہ اللہ علیم و خبیر کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے بحث و حجت ، شک و ریب ، چون و چرا کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بذوق و شوق "سمعنا و اطعنا" کا جذبہ ابھر آتا ہے ۔ یہ سمع و اطاعت جوں جوں صحیح ہوتی جاتی ہے ایمان و یقین بھی پختہ ہوتا جاتا ہے جزائے اعمال کے متعلق جو امور غیبیہ ہیں وہ کالمشاہدہ ہوتے جاتے ہیں اور یہ حقیقت سمجھ میں آجانے کے بعد کہ انسان کی اصل زندگی بعد الموت کی زندگی ہے اور وہیں کا نفع اصلی نفع ، اور وہیں کا ضرر اصلی ضرر ہے ۔ خشیتِ الٰہی و حبِ الٰہی بڑھتی جاتی ہے نفس کا تزکیہ اور طمانیتِ نفس کا مقام عطا کیا جاتا ہے حق تعالیٰ کی رحمانیت و ربوبیت کھلتی جاتی ہے بندگی کے منازل طے کرائے جاتے ہیں ، خلافتِ الٰہیہ کی قابلیت اجاگر کی جاتی ہے ۔ آیاتِ قرآنی کے صحیح مطالب پہ آگاہی بخشی جاتی ہے ۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (العنکبوت)

(ترجمہ) جو لوگ ہماری راہ میں جد و جہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں دکھلاتے ہیں ۔

ایمان بالرسالت کا مفہوم

غرض یہ کہ ایمان بالرسالت کا مفہوم جتنا صحیح ہوگا دین و ایمان اتنا ہی قوی اور مستحکم ہوگا

آنحضرت صلعم ہی کے ارشادات سے ظاہر ہے کہ ایمان بالرسالت کے تین اجزاء ہیں۔

(۱) لا یؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (حدیث شرح السنۃ)

(ترجمہ) تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہو جائیں

یعنی ایک جز تو یہ ہے ایمان بالرسالت صحیح نہ ہوگا جب تک خواہشات نفسانی آپ کی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں

(۲) لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین (متفق علیہ)

(ترجمہ) تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک میں اس کے باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

دوسرا جز یہ ہے کہ آپ جان ومال، آل واولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جائیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جان ومال، آل واولاد کی محبّت بہرحال اور بہر صورت اتباعِ رسالت سے نہ روکے۔

(۳) من رغب عن سنتی فلیس منی

(ترجمہ) جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔

تیسرا جز یہ ہے کہ ہدایت کے مدارج حاصل کرنے کے تمام طریقے سنت کے مطابق ہوں کوئی عمل غیر مسنون نہ ہو سورۂ اعراف کی آیت ذیل سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جان ومال سے آپ کی حمایت و نصرت پر آمادہ رہنا اور آپ کی تعلیمات، آپ کی سنت پر کما حقہٗ عمل کرنا ایمان بالرسالت کے لازمی اجزاء ہیں۔

فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ ٭ پس جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے
واتبعوا النور الذی انزل معہ ٭ ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے
اولٰئک ھم المفلحون ٥ (الاعراف-۱۹) ٭ ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے
٭ ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

ایمان بالرسالت سے اگر اپنے علم وعمل کی اصلاح، اسوۂ حسنہ کی پیروی، اپنے متعلقین اور اپنے حدود امکانی میں خدا اور رسول کے احکام اور ہدایت کو جاری کرنے کا والہانہ و ہمدردانہ جذبہ پیدا نہیں ہوا ہے تو جان لینا چاہیے کہ محض زبان سے آپ کے رسول اللہ

میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ایک طرف تو یہ نادانی و جہالت اور غفلت و لاپرواہی دوسری طرف اتنا غلو کہ آپ کو عینِ خدا بلکہ خدا سمجھنے کا عقیدہ امت میں پیدا کر دیا گیا بطور نمونہ ملاحظہ ہو

(۱) باتیں ہیں باطل یہ دو احمد بے میم کو ✤ غیر خدا جاننا عین بشر دیکھنا

(احمد بے میم کا مطلب یہ کہ آنحضرتؐ احد یعنی اللہ ہیں)

(۲) حق محمدؐ ہے اور محمدؐ حق ✤ دیکھو قرآن میں یہ بیان آیا

(۳) اسم پاک اس کا محمدؐ مصطفٰے رکھا بشوق ✤ اور سمی اس کا بے ریب و گماں تو ہی تو تھا

(۴) ع ظاہر میں محمدؐ ہے تو باطن میں خدا ہے

(۵) ع ظاہر میں دیکھ بندہ باطن میں جان اللہ

یہ تمام وحدۃ الوجود کے مروجہ افکار کی غلط کاریاں ہیں ایسی باتیں حسب ارشاد حضرت پیغمبر علیہ السلام "تحریف الغالین" ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین میں غلو کرنے والے حقیقت کو بدل دیتے ہیں۔ جیساکہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے متعلق عقیدہ پیدا کر لیا تھا اور یہ کلمۂ کفر کہتے تھے۔

ان اللہ ھو المسیح ابن مریم (مایدہ)

(ترجمہ) اللہ ہی عیسیٰ ابن مریم ہیں۔

عام طریقۂ ولادت کے خلاف حضرت عیسیٰ کی پیدایش اور احیارِ موتیٰ اور مٹی کے پرندے بناکر ان میں جان ڈالنا وغیرہ جیسے معجزات دیکھ کر نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق مذکورہ بد اعتقادی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ایسی گمراہی سے بچانے کے لئے یہ احتیاط فرماتے تھے کہ جب کبھی آپ سے معجزہ کا ظہور ہوتا تو فوراً فرما دیتے "انی عبد اللہ و رسولہ" (بخاری) نیز آنحضرتؐ صلعم نے یہ تاکید بھی فرما دی کہ مجھے حد سے آگے نہ بڑھا دو جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو بڑھا کر گمراہ ہوئے (رزین کتاب المدح عن ابن عباسؓ) چونکہ پچھلی امتیں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں الوہیت ثابت کرکے یعنی ان کو عین اللہ اور ابن اللہ سمجھ کے

گمراہ ہو چکی تھیں اس لئے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم "عبد اللہ" ہونے کی تصدیق داخلِ ایمان کر دیگئی (اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ) مگر وائے بر حالِ ما کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں ہی کو نہیں بلکہ ہر فرد خلق کو عین اللہ کہہ کر یعنی ہر صورت خلق میں اللہ تعالیٰ کو موجود و ظاہر ثابت کرکے گمراہی کا دروازہ کھولدیا۔

قرآنی بصیرت یہ ہے کہ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں، بشر ہیں، قل انما انا بشرٌ مثلکم، چونکہ سنتِ الٰہی یہی ہے کہ انسانوں کی تعلیم و تربیت انسانوں ہی کے ذریعہ کی جاتی ہے اس لئے تمام انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے انسانوں ہی میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا "بعث فیھم رسولاً من انفسھم" آپ تمام انسانوں کے لئے "داعی الی اللہ" و "سراج منیر" ہیں "داعیاً الی اللہ باذنہٖ وسراجاً منیراً" جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے لائے ہوئے نور ہدایت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی سے اپنی شمع حیات کو روشن کئے بغیر کوئی شخص اپنی زندگی اور دل و دماغ کے تاریک گوشوں کو نورانی نہیں بنا سکتا اور مغفرتِ الٰہیؐ "الجنۃ" کا مستحق نہیں ہو سکتا، تمام انبیاء علیہم السلام ایک ایک قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور آنحضرت صلعم تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں اس لئے آپؐ افضل الانبیاء ہیں جیسا کہ حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت سے ثابت ہے۔

قالوا وما فضلہ علی الانبیاء قال	لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ آنحضرت
قال اللہ تعالیٰ وما ارسلنا من	کو اور سب نبیوں پر کیا فضیلت ہے تو ابن عباسؓ
من رسولٍ الا بلسان قومہ لیبین	نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے پہلے جو رسول
لھم فیضل اللہ من یشاء الایہ	بھیجے وہ اسی قوم کی زبان میں تاکہ وہ اسی قوم کو
و قال اللہ تعالیٰ لمحمد صلی اللہ علیہ	ہدایت (کھول کر بیان) کرے اور آنحضرت صلی اللہ
وسلم وما ارسلناک الا کافۃ للناس	علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قرآن میں ارشاد
فارسلہ الی الجن والانس (الدارمی)	ہے کہ ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر

بھیجا تو آپؐ سب انسان بلکہ جنوں کے لئے بھی نبی ہیں۔

آپؐ کے قلب مبارک میں تمام انسانوں کی حقیقی خیر خواہی و ہمدردی کا جذبہ موجزن تھا حریصٌ علیکم یعنی آپ چاہتے تھے کہ تمام انسان آستانۂ حق پر سرافگندہ ہو جائیں تاکہ دنیا میں ان کو حیاتِ طیبہ اور آخرت میں خیر و ابقیٰ زندگی عطا ہو۔ آپؐ اپنی امت' اہل ایمان کے لئے " رؤف و رحیم " تھے 'بالمؤمنین رؤف رحیم' رؤفیت و رحیمیت ملاحظہ ہو' امت کی تسکین و اطمینان کے لئے دنیا کی وہ کون سی تکلیف ہے جو بطیب خاطر برداشت نہیں فرمائی، فقر و فاقہ کیا، اپنے اور غیروں کے طعن و طنز سنے، تحقیر و تذلیل گوارا کی، چہیتی بیوی و اولاد اور دوستوں کی جدائی پر صبر کیا جسمانی آزار برداشت کئے، فقیرانہ زندگی پسند کی' کیا یہ سب اسی لئے نہیں کیا کہ اُمت کے افراد اپنے ہر دکھ و درد کا درماں حکمت خانۂ رسالت سے پاکر تسکین اور صبر و رضا کا مقام حاصل کریں۔ رؤفیت و رحیمیت کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ آپؐ کی تمنا یہی تھی کہ آپؐ کی اُمت عذابِ آخرت سے محفوظ رہے اور زیادہ سے زیادہ جنت و درجاتِ جنت حاصل کرے۔ ہر موقع و محل پر اپنی زاہدانہ و مجاہدانہ زندگی سے آپؐ یہی سبق دیتے تھے۔ امت کا کیا منہ ہے کہ وہ اس ذاتِ گرامی پر اپنا سب کچھ قربان کرے جس ذاتِ اقدس نے امت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اَللّٰھُمَّ صلی علیٰ محمدٍ بعدد جمیع خلقِكَ۔

ظاہراً و باطناً آپؐ کی اتباع کا دیوانہ وار جذبہ آپ کی محبّت، عظمت و توقیر اور آپ سے وابستگی پر عزو ناز و مسرّت جس دل میں نہ ہو وہ دل ایمان سے تہی ہے آپ کا ذکر جمیل جس مجلس میں نہ ہو وہ خیر و برکت سے خالی ہے آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی جھلک جس فکر و عمل میں نہ ہو وہ مقبولِ حق نہیں۔

حُبّ نبی اور حضرات صحابہ کرام کی روش

حُبّ نبی حُبّ الٰہی کا لازمی نتیجہ ہے اور بڑی نعمتِ الٰہی ہے بقولِ حفیظ جالندھری۔ ؎

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اس کے بغیر نہ ایمان میں لذت ہے نہ کیف و سرور یہ نہ ہو تو دین و ایمان جسدِ بے روح۔ وہ بندۂ حق نہیں جو شمعِ نبوت کا پروانہ نہیں۔ یہ وہ شراب ہے جس میں نشہ نہیں، بیداری ہے جس میں ہوش و حواس گم نہیں ہوتے بلکہ تیز ہو جاتے ہیں، اس شرابِ محبت کے متوالے حضراتِ صحابۂ کرام تھے، پی اور خوب پی، اور ہم کو بھی پینے کا طریقہ تبلا گئے۔ جہاں آپ کا پسینہ ٹپکا وہاں اپنا خون بہا دیا۔ آپؐ کے اشاروں پر اٹھنا، بیٹھنا، جینا، مرنا۔ جس سے آپؐ ناراض اس سے وہ بھی ناراض۔ جس سے آپؐ خوش اس سے وہ بھی خوش۔ جس کو آپکا مخالف دیکھنا اس کے دشمن ہو جانا۔ آپؐ کی سیرتِ پاک کے سانچہ میں اپنی سیرت کو ڈھالنا۔ آپؐ کی طرح حق کی بقار و اشاعت میں بطیبِ خاطر، بذوق و شوق جان و مال کا نقصان برداشت کرتے رہنا آپؐ کی سنتوں پر بلا لحاظ لومۃ لائم سختی سے عمل کرنا، بھائی بیٹا، عزیز، دوست اگر خلاف سنت عمل کرتے تو ان سے ناراض ہو جانا، ان حضرات نے میلاد مبارک و آثار مبارک کے نام سے آپؐ کے یادگاری جلسے منعقد کرکے، اور آپ کی مدح سرائی کے نغمے گا گا کر آپؐ کی یاد کبھی نہیں منائی۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنا ہی آپ کی یاد منانا ہے وہ آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے سوا کسی اور کام کو کارِ ثواب نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے ظاہر و باطن میں آپؐ کی کما حقہٗ اتباع وہ اپنے لئے موجبِ عزو ناز سمجھتے تھے اور صرف آپؐ کی اتباع ہی کو عند اللہ وسیلہ جانتے تھے، اس کے سوا وسیلے کا اور کوئی ایسا مفہوم نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ بالعموم آج امت میں رائج ہے۔ آپؐ کے نقشِ قدم کو وہ جنت کا واحد نشان سمجھتے تھے جیسا کہ غالب نے کہا ہے

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں ٭ خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

ان حضرات کے حقیقی مومن ہونے کی علامت یہی تھی کہ وہ ارم "الجنۃ" آخرت

کی "خیر و ابقیٰ" اعلیٰ و لازوال زندگی کے طالب و حریص تھے ان کی مجاہدانہ زندگیوں میں یہ طلب و حرص نمایاں نظر آتی ہے۔ نیز ان کا جذبۂ حبِ نبیؐ اس ارشاد کے تابع تھا۔

من احب سنتی فقد احبنی (حدیث)

(ترجمہ) جس نے میری سنت کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا۔

اس طرح حبِ نبی سے سرشار ہو کر وہ حضرات شہادت حق ادا کرتے تھے۔ یعنی یہ اعلان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لئے ہادیٔ برحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح دانش و بینش اور حضراتِ صحابہ کرام کی طرح یہ شرابِ روح پرور پینا پلانا نصیب کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کا تعارف

خالقِ فطرت نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے تمام بندوں کی ہدایت کے لئے علم و عمل، حکمت و دانائی کی جو روشنی عطا فرمائی ہے اس کا نام "القرآن" ہے قرآن کتاب اللہ ہے، کلام اللہ ہے۔ اس کے الفاظ اور جملوں کی ترتیب، الہٰی ترتیب ہے۔ خالقِ فطرت نے اس کتاب کو جن الفاظ میں نازل فرمایا بعینہٖ انہی الفاظ میں یہ کتاب لکھی ہوئی ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج دنیا میں صرف یہی کتاب ہے کہ جس زبان "عربی" میں نازل ہوئی ہے بجنسہٖ وہ اسی زبان میں محفوظ ہے اور اس کتاب کی زبان بھی علمی و کاروباری حیثیت سے کسی ایک ملک میں نہیں بلکہ اقطاعِ عالم میں رائج ہے۔ آج اس آب و تاب کی کوئی کتاب دنیا میں نہیں۔ اس کتاب کا اندازِ بیان شروع سے آخر تک بتلا رہا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر اپنے بندوں سے مخاطب ہے اور اپنے بندوں کو اخلاق و اطوار درست کرنے کی اور زندگی کے تمام کاروبار و معاملات کو عدل و احسان کے ساتھ انجام دینے کی اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے کی ہدایت دے رہا ہے۔ یہی وہ نور ہے جس کے بغیر عقلِ انسانی اندھی ہے۔

تمام انسان چاہے ان کا تعلق کسی قوم، رنگ و نسل سے ہو ان کی یہ ایک فطری خواہش ہے کہ سب بھائی بھائی بن کر رہیں یہ خواہش اس وقت تک پوری نہیں ہوسکتی جب تک تمام انسانوں کا مطلوب و مقصود ایک نہ ہوجائے ان کے سوچنے، سمجھنے کا انداز ایک نہ ہوجائے ان کے فرائضِ حیات ان کا نظامِ زندگی ایک نہ ہوجائے۔ انسانی فطرت کا یہی تقاضہ ہے اور یہی قرآنی تعلیم ہے اگر اسی ایک نکتہ پر اچھی طرح غور کر لیا جائے تو

"القرآن" کو خالص اللہ کا کلام تسلیم کرنے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ قرآن کو "الکتاب" بھی فرمایا گیا ہے "ذٰلک الکتاب" جس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اس کی تعلیم سے منتشر و پراگندہ انسان ایک ہی مرکز پر جمع ہو جاتے ہیں اور اس کا ایک نام "الفرقان" بھی ہے یعنی حق و باطل کا فرق ظاہر کر کے اس حقیقت کو پیش کرنے والا جس کو قبول کئے بغیر انسانیت کی تعمیر اور امن و سلامتی کی دنیا آباد نہیں ہو سکتی اور موت کے بعد کے شدائد سے انسان نجات نہیں پا سکتا۔

دین فطرت نیا دین نہیں "القرآن" میں جس دینِ فطرت کی تعلیم ہے وہ کوئی نیا دین نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تمام انسانوں کے لئے ایک ہی دینِ فطرت نازل ہوتا رہا جس کا نام قرآنی اصطلاح میں "**دینِ اسلام**" ہے اس وقت دنیا میں جو مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں وہ دینِ فطرت، دین اسلام ہی کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں جس کو لوگوں نے اپنا تفوق و برتری جتانے کے لئے بنا لیا ہے اور انسانی برادری کو اپنے خود ساختہ ادیان میں بانٹ دیا۔ ان آیات میں یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام ؏ بلاشبہ دین (فطرت) اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے

اور ؏

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً ؏ جن لوگوں نے اپنا دین جدا جدا کر لیا اور مختلف گروہ بن گئے۔

نیز یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اسلام صرف تیرہ سو برس کا دین ہے دراصل اسلام اور انسانیت کی پیدائش ایک ہی ساتھ ہے۔ انسانیت جتنی قدیم ہے اسلام بھی اتنا ہی قدیم ہے البتہ تمام دنیا کے لئے کامل و جامع صورت میں یہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ نازل فرمایا گیا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان دین اسلام سے کماحقہٗ ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کی صحیح نمایندگی نہیں کر رہے ہیں الا ماشاءاللہ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں بگاڑ ہی بگاڑ ہے اور مسلمان بھی اس غلط نمایندگی کی

سزا بھگت رہے ہیں۔ اب اس بگاڑ کو سنوارنے کے فطری تقاضے پیدا ہوتے جا رہے ہیں جو اس بات کی علامت پائی جاتی ہے کہ شاید دنیا سابق کی طرح پھر ایک مرتبہ دینِ فطرت' دین اسلام کو اختیار کرے اور دنیا کے سامنے پھر ایک دفعہ چھپی ہوئی حقیقت آشکارا ہو جائے اگرچہ کہ بالآخر دنیا بگاڑ ہی پر ختم ہوگی۔

قرآن و گیتا ایک نہیں ہمسایہ قوم کے مفکرین کو مسلمانوں کی غلط نمایندگی سے اور اپنے طور پر قرآن پڑھ لینے سے یہ دھوکہ ہوا کہ وہ قرآن اور گیتا کو ایک ہی سمجھ بیٹھے۔ قرآن میں ان کو وہی نظر آیا جو گیتا میں ہے یہ بڑا دھوکہ ہے۔ گیتا کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنے مخالفین سے جدال و قتال پر آمادہ کیا جائے۔ گیتا میں نغموں اور افسانوں کے ذریعہ سے جدال و قتال کے انسانی جذبات ابھارے گئے ہیں۔ ایسی کتاب کو اس الہٰی کتاب سے کیا مناسبت جس کی تعلیم سے انسانیت کی تعمیر اور انسانوں کی زندگی میں طہارت و پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور انسان زندگی کے کاروبار کو عدل و احسان کی بنیاد پر انجام دینے کے قابل بن سکتا ہے۔

قرآن الہامی کتاب نہیں دیگر مذاہب کی موجودہ کتابیں توریت و انجیل و زبور وغیرہ کی طرح "القرآن" کو الہامی کتاب سمجھنا اور کہنا بھی ایک بڑا دھوکہ اور غلطی ہے۔ توریت و انجیل' زبور تو بیشک الہٰی کتابیں تھیں مگر اب ان پر الہٰی کتاب کا اطلاق صحیح نہیں۔ کیوں کہ وہ جس زبان میں نازل ہوئی تھیں وہ زبان بھی بدل دی گئی اور اس کے احکام اور مضامین کو بھی بدل دیا گیا۔ "القرآن" جو اپنی اصلی حالت میں ردو بدل سے محفوظ ہے از اول تا آخر "وحی الہٰی" ہے۔ وحی الہٰی جس کا تعلق بندوں کی اصلاح و ہدایت سے ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام و ہدایات اپنے خاص فرشتہ جبریل امین ؑ کے ذریعہ اپنے پسندیدہ بندوں' انبیاء علیہم السلام پر نازل فرماتا ہے جس کو جبریل امین بجنسہٖ پہنچا دیتے ہیں تاکہ حضرات انبیاء علیہم السلام خود بھی ان ہدایتوں پر پوری طرح عمل کریں اور تمام انسانوں کو بھی وحی کے مطابق بندگی رب کی دعوت دیتے رہیں۔ وحی کے الفاظ و عبارت میں ان حضرات کو بھی ردّ و بدل کا کوئی

اختیار نہیں ہوتا ۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کے علاوہ موجودہ مذہبی کتابوں پر الہٰی کتاب ہونے کا اطلاق ہوتا ہی نہیں ۔ موجودہ توریت ، زبور ، انجیل ، وید اور ژند کو الہامی کتاب کہا جا سکتا ہے مگر قرآن مجید کو الہامی کتاب کہنا ناسمجھی ہے الہام تو ہر انسان کو ہوتا ہے چاہے وہ شخص اپنے خود ساختہ طریقوں سے اپنی کتنی ہی اصلاح کرے اور کتنا ہی دنیا سے بے تعلق رہے مگر نفس کی شرارتیں چھپی رہتی ہیں اور اس کے الہامات میں ماحول کے اثرات، اس کے طبعی رجحانات اور نفسانی میلانات شامل رہتے ہیں ۔ جس کو ملہم (جس پر الہام ہو) اپنے الفاظ و جملوں میں بیان کرتا ہے ۔ وحی اور الہام میں یہی فرق ہے ۔

قرآن ہی موجب سربلندی ہے علم و ہدایت کا یہی وہ سرچشمہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ قوموں کو سربلندی عطا کرتا ہے اور اس کو نہ ماننے والوں کا درجہ گھٹا دیتا ہے۔

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین (مسلم) ÷ بے شک اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ قوموں کا مرتبہ بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ دوسروں کا درجہ گھٹا دیتا ہے۔

رفعت و برتری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سیاسی و معاشی برتری حاصل ہو جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی قوم اس حیات بخش نسخۂ الہٰی "القرآن" سے اپنے قلوب کو زندہ اور اپنے افکار و کردار کو نورانی بنا کر نمودار ہوگی اس کو دیگر اقوام کی امامت و پیشوائی کا رتبہ عطا کیا جائیگا ۔ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ عرب ہی نہیں بلکہ ایرانی ، تاتاری ، مغل، جس قوم نے بھی اس دستورِ رحمت ، آئینِ بندگی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنایا دوسری قوموں نے ان کے آگے سر جھکایا اور ان سے انسانیت کا سبق سیکھا ۔ آج بھی امت کے وہ افراد جو قرآنی افکار و کردار سے "ربانیین" بنے ہوئے ہیں مذکورۂ عطیۂ الہٰی سے محروم نہیں ہیں ۔

ایمان بالقرآن کا مفہوم ایمان بالقرآن ، قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف اس کی تعظیم کی جاتی رہے ، آنکھوں سے لگایا جائے اور

سر پہ رکھ لیا جائے ۔ لیکن اس پہ عمل کرنے سے پہلو تہی کی جائے اور نہ یہ مطلب ہے کہ صبح و شام صرف اس کی تلاوت ہی کی جاتی رہے اور پڑھ کر مُردوں کو ایصال ثواب کیا جاتا رہے بلکہ ایمان بالقرآن کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تلاوت غور و فکر کے ساتھ کی جائے اور اس سے نصیحت حاصل کرکے بگڑی ہوئی ذہنیتوں کو درست کیا جائے۔

كتٰبٌ انزلنٰه اليك مبٰرك	یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس
ليدبروا ايٰته وليتذكر	واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں
اولوا الالباب (ص - ۳)	میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں

اور یہ کہ رحمتِ حق کے پیاسے انسان اس بابرکت کتاب کی ہدایتوں پر بہرحال و بہر صورت عمل کرکے خیر و برکت حاصل کریں اور عارضی و ابدی رحمتِ الٰہی کے مستحق ہوجائیں۔

وهذا كتٰب انزلنٰه مبٰرك	اور یہ بڑی بابرکت کتاب ہے سو اس کا
فاتبعوه واتقوا لعلكم ترحمون	اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت
(الانعام - ۱۹)	نازل ہو۔

ایمان بالقرآن کا صحیح مفہوم نہ ہونے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج امت علماً و عملاً اتباعِ قرآن جیسی اللہ تعالیٰ کی نعمت سے بڑی حد تک محروم ہے اور بے راہ روی میں مبتلا ہے جیساکہ ارشاد ہے

هو حبل الله من اتبعه كان على	(قرآن) خدا کی رسی ہے جس نے اس کی پیروی
الهدىٰ ومن تركه كان على	کی وہ ہدایت پر ہے اور جس نے اس کو ترک
الضلالة (مسلم)	کیا وہ غلط راہ پر پڑ گیا۔

نیز صرف اپنے اہل قرآن ہونے پر اکتفا کئے ہوئے ہے حالانکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمادی تھی کہ

يا اهل القرآن لا تتوسدوا	اے اہل قرآن اپنے اہل قرآن ہونے پر
القرآن	بھروسہ نہ کر بیٹھو۔

اور یہ بھی تاکید فرمادی تھی کہ قرآن کی تلاوت سے نصیحت و ہدایت حاصل کرتے رہو ورنہ قرآن تمہارے سینوں سے نکل جائے گا۔

استذکروا القرآن فانہ اشد ✧ قرآن کی تلاوت سے نصیحت حاصل کرتے رہو
تفصّیا من صدور الرجال عن النعم ✧ کیونکہ قرآن سینوں سے بہت جلد نکل جاتا ہے
✧ جیسے چوپائے گرفت سے نکل جاتے ہیں ۔

قرآن کی تلاوت یا تو صرف ایصال ثواب و حصولِ ثواب کے لئے رہ گئی ہے یا درس و تدریس اور مناظرہ و مجادلہ کے لئے ۔ حافظ قرآن بننے اور بنانے کا جتنا شوق ہے عامل قران بننے کا نہ اتنا شوق ہے اور نہ اتنی دلچسپی ۔ قرآنی تعلیمات کی طرف سے یہی بے توجہی و روگردانی دینی جمود و پستی کا سبب ہے ۔

تفریق ملت کی وجہ امت میں جو مختلف گمراہ فرقے پیدا ہوگئے ہیں ۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس مخزنِ علم سے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں قلب و نظر کو منوّر نہیں کیا گیا ۔ کیوں کہ قرآن مجید میں علم و حکمت کی جو تعلیم ہے وہ باطنی روشنی ہے اور اسوۂ حسنہ ظاہری روشنی ہے ۔ انسان کی ہدایت و رہبری کے لئے دونوں لازم و ملزوم ہیں ۔ اگر صرف باطنی روشنی ہو اور ظاہری روشنی نہ ہو تو انسان ٹھوکریں کھائے گا اسی طرح اگر ظاہری روشنی ہو اور باطنی روشنی نہ ہو تو انسان ٹھوکریں کھائیگا اور اس کو منزل مقصود تک پہنچانے والی راہ راست نصیب نہ ہوگی ۔ یاد رہے کہ ابدی، اعلیٰ و لازوال زندگی ہی انسان کی منزل مقصود ہے ۔

منزلِ مقصود کو راست پہنچانے والی راہ کا نام القرآن کی اصطلاح میں صراط مستقیم ہے اور وہ کتاب و سنت کا مجموعہ ہے ۔ یعنی القرآن اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ۔ جیسا کہ اس آیہ کریمہ سے واضح ہوتا ہے ۔

و انّ ھٰذا صراطی مستقیماً ✧ اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے
فاتبعوہ ج ولاتتبعوا السبل ✧ سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو
فتفرق بکم عن سبیلہٖ (الانعام-۱۹) ✧ کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی ۔

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں سے کہیئے کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے پس تم اس راہ پر چلو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے

نیز اہلِ ایمان کو یہ جو تاکیدی حکم دیا گیا ہے ۔

ولاتکونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا من بعد ماجآءھم البینٰت ط (آلِ عمران - ۱۱)

اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے (دین میں) باہم تفریق کر لی اور (نفسانیت سے باہم اختلاف کر لیا) ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد ۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ کتاب و سنت کی واضح روشنی کو اگر اپنی عقل کا رہبر نہ بناؤگے تو تفریقِ ملت کی لعنت میں مبتلا ہو جاؤ گے حضرت رسول کریم صلعم نے بھی متنبہ فرمادیا تھا کہ میرے بعد کتاب و سنت ہی ایک ایسی مضبوط رسی ہے جس کو اگر مضبوط پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے ۔

انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما ابدا کتاب اللہ و سنتی ۔ (مستدرک حاکم)

میں تم میں دو چیزیں کتاب اللہ اور اپنی سنت چھوڑے جاتا ہوں جس کے بعد تم کبھی بے راہ نہ ہوگے ۔

ان تاکیدی ہدایات سے بے رخی برتنے کا نتیجہ ظاہر ہے کہ امت میں مختلف گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور ہوتے جارہے ہیں ۔ مثلاً شیعہ ، خارجی ، قدری ، جبری ، قادیانی ، بہائی ، آغاخانی وغیرہ وغیرہ ، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ۔ کہ آنحضرت صلعم نے یہ صراحت فرمادی کہ ایک فرقہ راہ نجات پر ہوگا اور وہ وہی ہوگا جس کی دانش و بینش و روش میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ کے مطابق ہوگی ۔

ما انا علیہ و اصحابی (متفق علیہ)

ہر وہ شخص جو اپنے کو امتِ محمدیہ صلعم سے سمجھتا ہے اس کے لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ اپنی دانش و بینش و روش کو اس معیار پر جانچے اور اپنے عقیدہ و عمل کی اصلاح کرے ، کیونکہ موت کے بعد پیش آنے والے شدید تکالیف سے محفوظ رہنے کی یہی واحد صورت ہے ۔

فرقۂ اہلِ قرآن آج ہر شخص قرآن مجید کی من مانی تاویلات کرکے گمراہی کے دروازے

کھول رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسوۂ حسنہ اور روش صحابہ سے بے نیاز سمجھتا ہے اور اس طرح امت میں فتنہ پھیلایا جا رہا ہے مثلاً یہ کہ قرآن مجید میں صرف تین ہی نمازیں فرض ہیں اور اللہ اکبر کہنے کا قرآن شریف میں ذکر نہیں ہے اور بقرعید میں کعبہ شریف کے سوا کسی اور مقام پر قربانی کا حکم نہیں ہے۔ اور آنحضرت صلعم اور آپ کے آل و اصحاب پر درود بھیجنے کا بھی کہیں حکم نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید میں جو حکم ہے بس اسی کو مانو۔ شاید اسی لئے حضرت مخبر صادق صلعم نے ایسے ہوا پرست شکم پرور لوگوں سے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا منجملہ ان احادیث کے ایک حدیث ملاحظہ ہو

عن ابی رافع قال قال رسول اللہ صلی	❊	ابی رافع نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم	❊	علیہ وسلم نے پاتا ہوں میں تم میں ایک مغرور شخص
متکئاً علی اریکتہ یاتیہ الامر	❊	کو کہ جب اس کے پاس میرا کوئی امر یا نہی پہنچے تو
من امری مما امرت بہ اونہیت	❊	کہے کہ میں اس کو نہیں جانتا میں تو جو کچھ کتاب
عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا	❊	میں پاتا ہوں اسی کی پیروی کرتا ہوں۔
فی کتاب اللہ تبعناہ ۔	❊	(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

نیز آپ نے یہ بھی وضاحت فرما دی

الا و انی و اللہ قد أمرت و	❊	خبردار رہو تحقیق قسم ہے اللہ کی کہ میں نے
وعظت و نہیت عن اشیاء	❊	حکم دیا ہے، نصیحت کی ہے، اور بہت سی چیزوں
انہا لمثل القرآن (الی آخرہ)	❊	سے منع کیا ہے اور وہ امر و نہی مثل قرآن
(ابوداؤد)	❊	کے ہے۔

ان ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایات و سنت نبوی اور صحابہ کرام کی روش سے اعراض کر کے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرنا بڑی گمراہی میں مبتلا ہونا ہے۔

روایات کی تقلید افسوس ہوتا ہے کہ امت کا پڑھا لکھا دین دار طبقہ بھی روایات کی گھاٹیوں میں ایسا گھرا ہوا ہے کہ بزرگوں کے کشفیات و ارشادات سے ہٹ کر قرآن کو سمجھنا گناہ عظیم سمجھتا ہے کشفیات و ارشادات کی تعبیر قرآن کے تحت کرنے کے

بجائے قرآنی آیات کی تعبیر و تفسیر کشفیات و ارشادات کے تابع کی جا رہی ہے۔ اور قرآن مجید کے محکمات کو سمجھنے کی کوشش کرنے کی بجائے متشابہات کو سمجھنا کمالِ علمی قرار پایا، اس جامد تقلید کا نتیجہ یہ ہوا کہ وحدۃ الوجود، فنا و بقا، تنزلاتِ ستہ وغیرہ کو قرآنی و اسلامی تعلیم کا ایک اہم و اعلیٰ جز سمجھ لیا گیا۔ اور یہی قرب و صدیقیت کی تعلیم قرار دی گئی اور قرآنِ کریم کو اسرار و غوامض کا مجموعہ بنا دیا گیا۔

نزولِ قرآن کا مقصد | قرآن مجید جس میں بندوں کو بندگی، انسانوں کو انسانیت سکھائی جا رہی ہے۔ جس کی دعوت اور جس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں بندگی کا شعور بیدار رہے اور خود مختاری و آزادی کا پندار فنا ہو جائے اور آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی اور اس کے بلند مدارج کو بندے مطلوب و مقصود بنا لیں کیوں کہ اسی سے طالب حق کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور قلب کی تطہیر۔ اور وہ مرد مجاہد بندۂ جاں نثار و جاں باز اور خلیفۃ اللہ بن سکتا ہے جس کے بغیر انسان کو آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی عطا نہیں کی جاتی، انسان جو دنیا میں اللہ کا بندہ بھی ہے اور خلیفہ، نائب بھی ہے اس کو بندگی کی تعلیم اس لئے دی جاتی ہے کہ اس میں خلافت، نیابتِ الٰہی کا شعور بیدار ہو جائے اور وہ فرائض خلافت انجام دینے کے قابل بنا رہے۔ خلافتِ الٰہی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اثر و حکومت میں چاہے وہ کتنا ہی محدود کیوں نہ ہو احکام و ہدایتِ الٰہی کو جاری و نافذ کرے اور جان و مال کے ضرر کا لحاظ کئے بغیر ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے پروا ہو کر تمام انسانوں کو بھی دعوت خیر و صلاح دیتا رہے۔ مگر افسوس کہ بندگی و خلافت کا یہ قرآنی و فطری شعور انا، واحد، وجود واحد وغیرہ جیسے دلفریب و خواب آور تصورات میں گم ہو گیا یہی وہ اسرار ہیں، جو وحدۃ الوجود، فنا بقاء وغیرہ کی تعلیم کا ماحصل ہے یہی تعلیم اللہ تعالیٰ کے اسماء "الحی القیوم" کی تفسیر و تشریح کے نام سے رشد و ہدایت کے بعض مراکز میں رائج ہے بہ توفیق الٰہی عرض کرتا ہوں کہ یہ مروجہ تعلیم قرآنی و نبوی یعنی اسلامی تعلیم کا اعلیٰ جز ہونا تو کجا ادنیٰ جز بھی نہیں ہے یہ تمام عجمی قوموں کے افکار ہیں جو غیر شعوری

طور سے اسلامی تعلیم میں داخل ہو گئے اور دین و کمال دین کی یہی گم سُم، قوائے غور و فکر کو معطل کر دینے والی تعلیم صدیوں سے دنیائے اسلام میں رائج ہے رشد و ہدایت کے مراکز میں اس نام نہاد قرآنی تعلیم کو دیکھ کر اگر تعلیم یافتہ یا مذہبی طبقہ، افترائی ادیان والوں کی طرح یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ دین الگ ہے اور سیاست الگ ہے تو ان بیچاروں کا کیا قصور۔ ورنہ دینِ حق کی تعلیم میں تو دینی حرکت و بیداری اور سیاسی حرکت و بیداری کا ایک ہی مفہوم ہے۔

قرآن فہمی | واقعہ یہ ہے کہ قرآن فہمی یعنی کلام الٰہی سے مرادِ الٰہی کو پانا ایک خداداد نعمت ہے۔ وہبی سعادت ہے۔ اس نعمت عظمٰی سے وہی بندے سرفراز کئے جاتے ہیں جو اللہ علیم و خبیر سے احتیاج علمی کی نسبت قائم کر لیتے ہیں اور فیضانِ علمی کے لئے صرف آستانۂ علیم و خبیر پر سرافگندہ رہتے ہیں۔ اپنے قصور و جہل کے اعتراف کے ساتھ "رب زدنی علماً" کا معروضہ پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس رحمتِ خاص کا امیدوار بننے کے لئے چند خاص شرائط اور چند خاص اصول ہیں۔

شرائط :۔ (۱) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ محبوب ہو جائیں جس کا حاصل یہ ہے کہ :۔

الف :۔ دنیا کا تعیش، تنعم، جاہ و شہرت اور زر و مال کی طلب و حرص نہ رہے اور آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی اور اس کے درجات و فضائل کی طلب و حرص پیدا ہو جائے۔

ب :۔ صورتاً و سیرتاً اتباعِ رسالت ہو اور تمام افکار و اشغال اسوۂ حسنہ کے مطابق ہوں۔

(۲) روایات، کشفیات اور ماحول کے اثرات سے ذہن پاک ہو اور خرقِ عادات (کرامات) کا مطالبہ نہ ہو۔

(۳) اپنے عیوب پر ہر وقت نظر رہے۔

(۴) "انی اعلم" کا ادراک کسی آن "من اللہ" سے اور "انی علیٰ بینۃٍ" کا شعور کسی آن "من ربی" سے کٹا ہوا نہ رہے۔

(۵) اہل باطل سے بغض وعناد اور قلبی نفرت ہو، وہ دیگر علوم کے کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں مگر ان کو دین الہٰی سے منکر ہونے کی وجہ سے جاہل اور دین کے خلاف ان کی جو بات بھی سنے اس کو بکواس سمجھے

(۶) قلب میں کسی سے کینہ و حسد نہ ہو اور نہ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے شکوہ شکایت۔

(۷) اظہار حق میں نہ کسی کا خوف ہو نہ کسی کی رو و رعایت۔

(۸) لغو اور فضول باتوں سے بالکلیہ اجتناب۔

(۹) اپنے حدود امکانی میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا رہے۔

اصول یہ ہیں:- (۱) قرآنی دعوت اور نزول قرآن کا مقصد پیش نظر ہے

(۲) ایک آیت کی تفسیر دوسری محکم آیتوں سے کی جائے کیونکہ قرآن کی ہر آیت پورے قرآن سے مربوط ہے اور آیات محکمات ہی ام الکتاب ہیں (ھُن ام الکتاب) یعنی علم و حکمت کی نہریں ہیں۔

(۳) فطرتِ انسانی کو قرآن مجید سے سمجھنے کی کوشش کی جائے (واضح ہو کہ اس کے برعکس فطرت انسانی سے قرآن کو سمجھنا بڑی غلطی ہے)

(۴) حضرت رسول کریم صلعم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کی روش پیش نظر ہے

(۵) قرآن کے مخاطبین کے حالات، کیفیات، قلبی واردات، شکوک و شبہات، اور باطل خیالات، قرآن ہی سے معلوم کئے جائیں۔

عربی دانی، صرف و نحو کا ماہر یا درسی و اسنادی عالم ہونا لازمی شرط نہیں ہے۔

غیر اقوام میں قرآن کی اشاعت | غیر اقوام جن کو قرآنی اصطلاح میں مشرکین و ظالمین فرمایا گیا ہے ان کے سامنے قرآن مجید کو پیش کرنا تراجم کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو لاحاصل اور سعی لاشکور ہے۔ "لا یزید الظّٰلمین الا خسارا" کیونکہ قرآن مجید جو عقل انسانی کا نور ہے جس میں حکمت و دانش مندی کی تعلیم ہے درس انسانیت ہے، فکر و عمل کی اصلاح ہے، اس کے احکام و ہدایات کو

سمجھنے کی صلاحیت اس وقت تک پیدا نہیں کیجاتی جب تک انسان کو بعد الموت کی حقیقی و ابدی زندگی کا یقین نہ ہو جائے ۔ ابدی زندگی کے قرآنی حقائق کو سامنے نہ رکھ کر قرآن مجید اور قرآن کی اخلاقی، سیاسی، معاشرتی تعلیم کو کتنی ہی شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا جائے غفلت کے پردے چاک نہ ہونگے اور قلب بیدار نہ ہوگا یہی سنتِ الٰہی ہے۔

واذا قرأت القرآن جعلنا بينك ✽ اور آپ جب قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور
وبين الذين لا يؤمنون بالآخرة ✽ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان
حجاباً مستوراً ط (بنی اسرائیل۔۵) ✽ ایک پردہ حایل کر دیتے ہیں۔

صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ غیر اقوام کے سامنے رسالتِ محمدیہؐ کو پیش کیا جائے یہی بنیادی چیز ہے جیساکہ اس کے ماقبل باب میں عرض کیا گیا ہے۔

قرآن مجید سابقہ کتب کا مصدق ہونے کا مطلب

حضرت آدمؑ کے زمانے سے نزول قرآن کے زمانے تک اللہ تعالیٰ ہر ملک وقوم کے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے جو تعلیم نازل فرماتے رہے قرآن کریم میں حذف و اضافہ کے ساتھ وہی تعلیم مکمل کر کے پیش کی گئی ہے اسی وجہ سے قرآن کریم کا وصف

مصدقاً لما معكم ✽ جو کتابیں تمہارے پاس ہیں ان کی تصدیق کرنیوالی (کتاب)

فرمایا۔ مصدق کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اب جو مذہبی کتابیں آسمانی کتابوں کے نام سے مذہبی قوموں کے ہاتھوں میں ہیں قرآن مجید ان کے صحیح ہونے کی تصدیق کرتا ہے اور شاید اسی غلط تصور کی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ تمام موجودہ مذاہب حق ہیں۔ لفظ "مصدق" کی یہ بالکل غلط تعبیر ہے۔ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ سابقہ الٰہی تعلیم کے بہت کچھ اجزا یا تو چھپا دیئے گئے یا ان میں انسانی خیالات و تجاویز بھی ملا دی گئیں چنانچہ اہل کتاب کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لم تلبسون الحق بالباطل و ✽ کیوں ملاتے ہو حق اور باطل کو اور حق کو
تکتمون الحق۔ (آل عمران ۷۶) ✽ کیوں چھپاتے ہو۔

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اب جو مذہبی کتابیں، توریت و انجیل وغیرہ کے نسخے دنیا میں موجود ہیں ان میں حق و باطل ملا ہوا ہے اور بہت کچھ حقیقی تعلیم چھپادی گئی۔ اس لحاظ سے قرآن مجید ان کتابوں کا مصدق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید حق و باطل کے اجزاء کو الگ الگ کرکے جو حق ہے اس کو پیش کرتا ہے گویا اب قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب میں خالص حقانی و ربانی تعلیم موجود نہیں ہے اسی لئے قرآن مجید کو

مهيمناً عليه ؛ ان کتابوں کا محافظ

بھی فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اب تمام الٰہی تعلیم اس کتاب میں مکمل و محفوظ ہے بالفاظ دیگر مطلب یہ ہے کہ اب یہی ایک کتاب ہے بواسطۂ رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس پر عمل کرکے ہر ملک و قوم کا انسان نجات پا سکتا ہے۔ انسانوں کے تمام قلبی امراض کا علاج اسی نسخۂ شفا میں ہے، تمام انسانوں کا یہی الٰہی نظامِ حیات ہے۔

ایک ذہنی پستی مسلمان جب باطل فلسفۂ الٰہیات سے دوچار ہوئے تو اس کے نظریات کی تردید کے لئے علم کلام ایجاد کیا۔ اور اس کا نام معقول رکھا اور کتاب و سنت کو منقول قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ معاف کریں یہ بڑی لغزش ہوئی۔ کتاب و سنت کی تعلیم جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اس میں جاہل و نادان انسان کو عقل و دانائی سکھائی گئی ہے۔

كذلك يبين الله لكم اٰيٰته لعلكم تعقلون (البقرہ)

اس کا نام منقول رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تعلیم صرف نقالی ہے۔ کتاب و سنت کی اس ناقدری کا رد عمل یہ ہوا کہ سوچنے سمجھنے کا انداز کلامی ہوکر رہ گیا یا پھر کشفی۔ حالانکہ اس سرچشمۂ علم و حکمت میں باطل خیالات کی تردید کرنے کی بھی بہترین تعلیم ہے اور ایسے دلائل ہیں جس سے باطل کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے

بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه ؛ بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا
فاذا هو زاهق ۔ (الانبیاء) ؛ بھیجہ نکال دیتا ہے پس باطل فنا ہو جاتا ہے۔

دیکھئے مسلمان کب اس ذہنی پستی سے نکلتے ہیں اور صرف کتاب و سنت ہی سے عقل و دانائی حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینِ فطرت

فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذٰلک الدین القیم (الروم)

مطلب یہ ہے کہ انسان کی جو فطرت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز بدل نہیں سکتی۔ انسانوں کی جو فطرت ہے وہی دین قیم ہے دینِ قیم کا مطلب یہ ہے کہ یہ بالکل سیدھا سادہ دین ہے اس میں نہ کوئی اسرار ہیں اور نہ اشکال اس لئے اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ فطرت کیا ہے تاکہ دین آسانی سے سمجھ میں آجائے اور اس کو قبول کرنے میں کوئی گرانی محسوس نہ ہو۔

فطرت کا تعین اور فطری خواہشات

انسان کی وہ حالت جو سب انسانوں میں یکساں پائی جاتی ہے خواہ وہ کسی ملک و قوم اور نسل سے ہو۔ مثلاً پیدا ہونا، مرنا، بچپن، لڑکپن جوانی، بڑھاپے کے دور سے گزرنا، تمام اعضاء و جوارح سے وہی کام لینا جس کام کے لئے وہ بنائے گئے ہیں۔ ہاتھ سے پکڑنا، پاؤں سے چلنا، آنکھ سے دیکھنا، کان سے سُننا وغیرہ شادی و غم کے احساسات، انس و محبت، غضب و عداوت، خوف و شکر وغیرہ کے جذبات۔ اطاعت و سرافگندگی، تقلید و اتباع، سعی و عمل کا فطری ملکہ یہی سب انسانوں کی فطرت ہے۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے اکل و شرب، لباس، راحت، امن و عافیت و زینت کی خواہش، جنس قوی و صنف نازک کا ایک دوسرے کی جانب رجحان، سعی و عمل کی جزاء اور حکومت و ابنائے جنس کے مقابلہ میں تفوق و برتری کی خواہش۔ بے خوف و حزن زندگی گزارنے کی تمنا۔ زر و مال اور اولاد کی طلب وغیرہ، یہ وہ فطری خواہشات ہیں جو تمام انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ غور

کیا جائے تو ان کے علاوہ انسان کی کچھ اور خواہشات بھی ہیں۔ مثلاً ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے اور جوان رہنے کی تمنا، ہمیشہ شادان و مسرور اور عیش و عشرت کی طلب۔ بلا روک ٹوک اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خواہش، خیر و خوبی، حسن و جمال و کمال کی تمنا جس کو زوال نہ ہو، بقا ہی بقا ہو۔ جاننے اور سمجھنے کی طلب اور اپنے مالک و حاکم، رب و مولا سے ملنے اور اس کو دیکھنے کا شوق اور عارضی و ابدی درد و اذیت سے محفوظ رہنے کی خواہش یہ خواہشات بھی تمام انسانوں میں پائی جاتی ہیں اور بالکلیہ فطری ہیں۔ فطرت و فطری خواہشات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ان کے تغیر و تبدل پر، ان کے پیدا کرنے اور فنا کرنے پر انسان کو دسترس نہیں ہے۔ سرزمین بود و ماند کے اختلاف سے زبان بدل جائے قومی امتیاز پیدا ہو جائے۔ رسم و رواج اور تمدن و معاشرت کے طور و طریق مختلف ہو جائیں مگر فطرت کی یکسانیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ زمانے کے انقلابات سے مختلف تمدن و معاشرت اور علوم و فنون کے زوال و کمال اور ان کے ارتقاء کی مختلف صورتیں پیدا ہوئیں مگر یہ تمام تغیرات نہ فطرتِ انسانی کو بدل سکے اور نہ فطری خواہشات و جذبات کو، یہی نہیں بلکہ ابتدائے کائنات سے اب تک انسانی فطری جذبات و احساسات اور قوائے دماغی و جسمانی کو حرکت میں لانے والے محرکات بھی ایک ہی ہیں مثلاً ہزاروں برس پہلے کا انسان اولاد ہونے سے خوش ہوتا تھا اور اولاد مر جانے سے غمگین تو آج کا ترقی یافتہ انسان بھی اولاد کے پیدا ہونے سے خوش اور مرنے سے غمگین ہوتا ہے۔ ہزاروں برس پہلے کا انسان اپنے چاہنے والے سے محبت کرتا تھا اور اپنے دشمن سے نفرت و عداوت رکھتا تھا تو آج کا ترقی یافتہ انسان بھی اپنے چاہنے والے سے محبت اور دشمن سے نفرت و عداوت کرتا ہے۔ ہزاروں برس پہلے کا انسان نفع حاصل کرنے اور ضرر سے بچنے کے لئے اپنے اعضاء و جوارح کو حرکت میں اور فکر و عقل کو کام میں لاتا تھا اس زمانے کے انسان کی بھی یہی حالت ہے۔ ہزاروں برس پہلے کے انسان کو حسن و جمال و کمال اگر اپنی طرف کھینچتے تھے تو اس زمانہ کے انسان کو بھی یہ چیزیں اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ نیز یہ کہ انسانی جسم و صورت اور اس کی نشو و نما اور ساخت و پرداخت کا ایک ہی نظام ابتدائے کائنات سے جاری

و ساری ہے اس کے خلاف نہ کوئی انسان حرکت کرسکتا ہے اور نہ اس کی اتباع و پابندی کے بغیر انسان کی کوئی خواہش پوری ہوسکتی ہے مثلاً بھوک، پیاس اور اولاد کی فطری خواہش انہی طریقوں سے پوری ہوسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں یا ہوا، دھوپ، غذا و پانی کو استعمال کئے بغیر زندہ رہنے کی خواہش پوری نہیں ہوسکتی، نہ صرف یہ بلکہ ہوا دھوپ، غذا و پانی استعمال کرنے میں اگر کمی وبیشی کی جائے تو صحتِ جسمانی کا نظام بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ پس ان تمام امور کی یکسانیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ سب انسان ایک ہی اٹل نظامِ رحمت سے وابستہ ہیں۔ اور انسانوں کی یہ فطری حیثیت گواہی دے رہی ہے کہ ایک ہی اعلیٰ، قوی، قادر، رحمٰن، رحیم، علیم وحکیم ہستی تمام کائنات اور سب انسانوں کی خالق، رب، حاجت روا، پالنہار، مدبر و فرماں روا ہے اور انسان پر نگران و حاکم ہے اور تمام انسان اسی کے بندے ہیں۔ اسی کے مقررہ نظام میں جکڑے ہوئے اور اس کے محتاج ہیں۔ یہ ارشادات

ذٰلکم اللہ ربکم ٭ یہ اللہ ہی تمہارے حاجت روا ہیں۔

اور "یایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ۔" ٭ اے لوگو! تم سب اللہ ہی کے محتاج و بھکاری ہو۔

اور "یٰعبادی فاتقون۔" ٭ اے میرے بندو مجھ سے ڈرو۔

جاہل و نادان انسان کو اس کی فطری حیثیت، عبد ورب کے فطری تعلق کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں کہ خالق و رب کے احکام و ہدایات ہی سے وابستہ رہنا انسان کی فطری ضرورت ہے اس کے بغیر انسان کو نہ امن و عافیت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ اس کے افکار و اعمال میں خیر و خوبی پیدا ہوسکتی ہے اور نہ اس کی عارضی وابدی زندگی خوف و حزن سے محفوظ رہ سکتی ہے اور نہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کی بامراد زندگی پا سکتا ہے۔ انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنی عارضی و ابدی زندگی کی ان مذکورہ خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنے خالق و رب کا مطیع و فرماں بردار اور اسی کے در کا بھکاری بنا رہے۔ اسی سے ڈرے اور اسی سے محبت کرے۔ اسی کے نازل کئے ہوئے نورِ علم و ہدایت کی روشنی میں سفرِ حیات طے کرے۔ منزلِ مقصود کو پہنچنے کی یہی ایک سیدھی

فطری راہ ہے۔

فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم (آل عمران) ٭ پس تم اسی کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

اور یہی وہ فطری سیدھا سادہ طریقۂ زندگی ہے عوام کا کیا ذکر اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی جس سے ناواقف ہیں۔

ذٰلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (یوسف) ٭ یہی سیدھا طریقۂ زندگی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حیات انسانی کا اوّل و آخر

انسان میں عارضی و ابدی زندگی سے متعلق جو فطری خواہشات ہیں۔ خالق فطرت نے بشان رحمانیت و رحیمیت انسان کی ان فطری خواہشات کے لحاظ سے انسان کی رہائش، بودو باش، رہنے سہنے کے لئے دو عالم بنائے، دنیا و آخرت اور انسان کو دنیا و آخرت کے متعلق یہ علم و آگہی بخشی کہ تمہارے رہنے کا ایک مقام عارضی و چندروزہ ہے۔

لکم فی الارض مستقرٌ ومتاعٌ الی حین (البقرہ ۴) ٭ تمہارے لئے زمین پر رہنا اور چند روز زندگی گزارنا ہے۔

دنیا کی زندگی عارضی و چند روزہ ہے یہ تو سب ہی جانتے ہیں، اس آیت کریمہ میں یہ تعلیم بھی ہے کہ اس چند روزہ زندگی میں انقلابات و حوادث سے ہر وقت پالا پڑتا رہتا ہے یہاں کسی چیز کو قرار و ثبات نہیں، مال و اولاد، زن و زمین، راحت و شادمانی، فراغت و عافیت بھی آتی جاتی ہے۔ ان کے چلے جانے سے دل برداشتہ نہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح مشکلات و مصیبتیں، حیرانی و پریشانی، دکھ بیماری، حزن و غم، فقر و فاقہ بھی آتی جاتی ہے ان کے آنے سے دل گرفتہ نہ رہے۔ ان فانی چیزوں سے دل نہ لگائے اور نہ اُن کے ہاتھ آنے سے فخر و غرور پیدا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندے جن کے فرائضِ حیات، بندگی و خلافت ہیں اگر ان کا دل دنیا کی دلچسپیوں، زینت و آرائش، عیش و عشرت، روپیہ، پیسہ میں اٹکا رہے گا یا دنیا کے حوادث و انقلابات میں وہ حیران و پریشان رہیں گے تو اپنے فرائضِ حیات سے غافل ہو جائیں گے اور حیاتِ ابدی کے فطری مطالبہ کو بھول کر دنیا کی چندروزہ

زندگی کو مطلوب ومقصود بنالیں گے اور ان فطری حقوق و ذمہ داریوں کو بھول جائیں گے جس کا احساس انسان کی فطرت میں ہے۔ اور جو فطری تعلقات کی بناء پر ایک دوسرے پر عاید ہوتے ہیں۔ مثلاً والدین پر اولاد کے اور اولاد پر والدین کے حقوق۔ زن وشو کے ایک دوسرے پر حقوق۔ دوست احباب، ہمسایہ، خادم، مزدور کے حقوق۔ حاکم ومحکوم کے حقوق وغیرہ وغیرہ، ان ہی فطری تعلقات اور فطری حقوق کا احساس انسان کو صیانتِ حقوق اور تعزیری قوانین کی پابندی پر آمادہ کرتا ہے۔ فطری تعلقات وحقوق کی یہی بندشیں اس حقیقت کا پتہ دے رہی ہیں کہ حیات وموت کی یہ چند روزہ زندگی انسان کے لئے ایک امتحان اور آزمائش کا دور ہے۔ عشرت گاہ نہیں امتحان گاہ ہے سعی وعمل کا مقام ہے یہ ارشاد اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ (الملک)

(اللہ) جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

اور یہ کہ:-

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا۔ (الکہف)

ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لئے باعثِ رونق بنایا تاکہ ہم آزمائیں کہ لوگوں میں کون اچھا عمل کرتا ہے۔

انسان کو چونکایا جا رہا ہے کہ یہ چند روزہ زندگی اور یہاں کا سامانِ زیب وزینت تمہاری آزمائش و امتحان کے لئے ہے، تاکہ تم خالق ومخلوق کے حقوق و فرائض کو بہ حسن وخوبی ادا کرکے اپنے کردار کا بہترین نمونہ پیش کرو یہ سامانِ زندگی ضرورتاً دل بہلانے کے لئے ہے دل لگانے کے لئے نہیں ہے۔ انسان جو اللہ کا بندہ ہے اس کو چاہیئے کہ ان اسبابِ زینت سے دل بہلاتا رہے اور فرائض حیات (بندگی رب وخلافت) سے دل لگائے رکھے، بندگیٔ رب وخلافت کے فرائض ادا کرنے کو "القرآن" صحیفۂ فطرت میں حسنِ عمل، عمل صالح کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی واضح فرمائی گئی کہ زندگی گزارنے، دل بہلانے کا یہ چند روزہ سامانِ زینت وآرائش انسان کی سعی و جدوجہد

کا بدل نہیں ہے کیونکہ جو چیز امتحان و آزمائش کے لئے دی جائے (چاہے حکومت و اقتدار ہی کیوں نہ ہو) وہ امتحان میں کامیاب ہونے کا بدل نہیں ہو سکتی بلکہ اپنے رب کے پاس اس حسنِ عمل کے امتحان میں کامیاب ہونے کا اعلیٰ و لازوال بدل مقرر ہے وہی سزاوار تمنا ہے انسان کی فطرت اُسکی خواستگار ہے۔

المال والبنون زينة الحيوٰة الدنيا ÷ مال و اولاد دنیا کی زندگی کی رونق ہیں (دھن
والبٰقيٰت الصٰلحٰت خير عند ربك ÷ پوت جیتے جی کا سنگار ہیں) اور باقی رہنے والا نیکیاں
ثواباً وخير املا ۔ (الکہف) ÷ کا بدلہ تیرے رب کے پاس بہتر ہے اور اسی کی تمنّا
÷ بہتر تمنا ہے۔

یہ ارشاد کہ نیکیوں (اذکار و اعمال صالحہ) کا باقی رہنے والا بدلہ اللہ جل شانہ کے پاس ہے انسان کی بود و باش کے اُس عالم کی طرف نشان دہی کر رہا ہے جو جزائے اعمال کا عالم ہے انسان دوام و بقا چاہتا ہے اس لئے جزائے اعمال کا عالم دوامی، ابدی ہے "خٰلدين فيها ابداً" جس میں انسان ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عالم جزاء انسان کا آخری ٹھکانہ ہے۔ جہاں حیات ہی حیات ہے اور یہی زندگی اصلی زندگی ہے۔

وان الدار الاٰخرة لهي الحيوان (العنکبوت) ÷ بے شک دار آخرت ہی حقیقی زندگی ہے۔

ان العيش عيش الاٰخرة (حدیث) ÷ بے شک زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔

اس چند روزہ عالم میں اگر ہر چیز کو فنا و زوال ہے تو اس ابدی عالم میں ہر چیز کو ثبات و بقا ہے۔

وان الاٰخرة هي دار القرار (المؤمن) ÷ اور بے شک آخرت دار البقاء ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ کا قانون جزاء یہ ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ جیسے گن ویسے ہی پاپ اور پن۔

من عمل سيئة فلا يجزىٰ الا مثلها ۔ ÷ جو شخص برا کام یعنی خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو
÷ اس کو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے۔

اور جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتا ہے، ان کے احکام و ہدایتوں کے مطابق زندگی

کرتا ہے وہ وہاں ایک مسرت بھری زندگی "الجنۃ" اور بے حد وحساب رزق پاتا ہے۔

من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ و ﴿ اور جو نیک کام کرتا ہے مرد ہو کہ عورت بشرطیکہ

ھو مؤمن فاؤلٰئک یدخلون الجنۃ ﴿ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے اور وہاں

ویرزقون فیھا بغیر حساب (المؤمن) ان کو بے حساب رزق ملے گا۔

یعنی انسان کے افکار و اعمال کی جزاء کے لحاظ سے حیات بعد الموت کے دو جداگانہ عالم ہیں ایک عالم دکھ و درد سے بھرا ہوا ہے۔ ساءت مستقراً ومقاماً (الفرقان پ۱۹ ع آخر) جہاں کی تکلیفیں بھی غیر فانی و شدید ہیں۔ ولعذاب الاٰخرۃ اشد وابقٰی (سورہ طٰہٰ) قرآن مجید میں اس عذاب شدید و ابقٰی کا نام عذاب النار ہے جس کی بڑی تفصیل ہے چند باتیں سنئے یقین ہو تو رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور قلب تھرا جائے۔

وہ ایک سوز و تپش کا عالم ہے جہاں کا اوڑھنا بچھونا آگ ہی آگ ہے۔

لھم من فوقھم ظلل من النار ومن تحتھم ظلل۔ (زمر ع پ)

جہاں کے رہنے والے بھاری بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

مقرنین فی الاصفاد (ابراہیم پ۱۳)

ان کا لباس بھی آتش گیر مادہ کا ہوگا۔ سرابیلھم من قطران (ابراہیم ع پ)

ان کے چہرے نہایت سیاہ ہونگے۔ وجوھھم مسودۃ۔ (زمر۔)

ان پر ظلمت و غم کی کدورت چھائی ہوئی ہوگی۔

ووجوہ یومئذٍ علیھا غبرۃ ترھقھا قترۃ (عبس پ۳۰)

گرم کھولتا ہوا پانی اور پیپ۔ حمیماً وّ غساقاً۔ (النباء پ۳۰)

اور ایک خار دار قسم کے پھل (جیسے چپل سینڈھ) من شجر من زقوم۔

ان کا کھانا پینا ہوگا جس کو وہ بھوکے پیاسے اونٹوں کی طرح گر پڑ کے کھائیں گے۔

فشاربون شرب الھیم (واقعہ)

اس سوز و تپش کی زندگی سے نکلنا چاہیں گے تو نکل نہ سکیں گے اور مرنا چاہیں گے تو مر نہ سکیں گے۔ لا یموت فیھا ولا یحیٰی (الاعلیٰ) (اللھم انی اعوذبک من النار)

اس کے برعکس فطری راہ " صراط مستقیم " پر چلنے والوں کی جزاء، کا جو عالم ہے وہ کمالِ حسن و انتہائی خوبی کا مقام ہے۔ حسنت مستقراً ومقاماً (الفرقان ۶ پ۱۹)
وہاں کی تمام راحتیں اور نعمتیں، پورا سامانِ زندگی اعلیٰ و باقی رہنے والا ہے۔

وما عند اللہ خیر وابقیٰ (القصص)

جہاں کی زندگی انسان کی مرضی کے مطابق ہوگی یعنی وہاں کا عیش بھی دائمی، شباب بھی دائمی۔ فھو فی عیشۃ راضیۃ (القارعہ پ۳۰)
جہاں نہ کوئی تکلیف ہوگی نہ اذیت۔ لا یمسھم فیھا نصب (الحجر)
وہاں کا موسم ہمیشہ راحت افزا ہوگا نہ گرمی تکلیف دہ ہوگی نہ جاڑا۔

لا یرون فیھا شمساً ولا زمھریرا (دہر پ۲۹ ع۱)

ان کے چہروں پر غیر معمولی فرحت و شادمانی رہیگی۔ ولقاھم نضرۃ وسروراً (دہر ع۱)
وہ طرح طرح کی خوش فعلیوں میں مشغول رہیں گے۔ ان اصحٰب الجنۃ فی شغل فٰکھون (یس ع۴)
ان کے خورو نوش کے لئے ہمہ قسم کے بہترین پھل " ولھم فیھا من کل الثمرات " اور خوش ذائقہ پانی کی نہریں " فیھا انھٰر من ماء غیر آسنٍ " اور دودھ کی نہریں " وانھٰر من لبنٍ " لذیذ و بے ضرر شراب کی نہریں " انھٰر من خمرٍ لذۃ للشٰربین " اور مصفا شہد کی نہریں " وانھٰر من عسلٍ مصفیٰ " ہوں گی۔
ان کی بی بیاں نوعمر و نوخاستہ ہونگی۔ کواعب اترابا (النباء ع۲ پ۳۰)
ان کی صورت و رنگت اور ان کا بدن روشن و تاباں سرخ و سپید ہوگا۔

کانھن الیاقوت والمرجان۔ (رحمٰن پ۲۷)

جنت جو نہایت نیک اور شائستہ انسانوں کی بود و باش کا ایک اعلیٰ و پاکیزہ مقام ہے وہاں کھانے پینے اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا سامان موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں میں کھانے پینے وغیرہ کی جو خواہشات ہیں وہ بہیمانہ، حیوانی نہیں، انسانی خواہشات ہیں ان کو بہیمانہ صفات سمجھنا صحیح نہیں ہے۔
مختصر یہ کہ وہ ایک شاہانہ زندگی ہوگی جو دنیا کے شہنشاہوں کو بھی نصیب نہیں

لھم مایشاءون عند ربھم (الزمر)

اور ان تمام نعمتوں، راحتوں، شادمانیوں کے علاوہ سب سے زیادہ روح پرور، جانفزا نعمت دیدار الٰہی کی نعمت ہوگی۔ الی ربھا ناظرۃ۔

جس طرح اس عالم میں دولت وحکومت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر برتری و فوقیت ہے اسی طرح عالم آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی میں بھی سب اہلِ ایمان ایک درجے پر نہ ہوں گے۔ وہاں بھی علم و عمل کے درجوں کے لحاظ سے فرق ہوگا۔

وللاٰخرۃ اکبر درجات و اکبر تفضیلا (بنی اسرائیل ع)

آخرت کی یہ خیر و ابقیٰ زندگی اور اس کے درجات ان ہی بندگانِ حق کو عطا کئے جائیں گے جنہوں نے اس زندگی کا آزمائشی دور کامیابی کے ساتھ ختم کیا۔

نعمائے جنت وعقوباتِ نار مثالی نہیں اس طرح عالمِ آخرت ارتقاء انسانی کی آخری منزل ہے انسان سے دکھ یا سکھ کبھی جدا نہیں ہوسکتا۔ اس ارتقائی منزل میں سکھ بھی درجۂ کمال پر ہوگا اور دکھ بھی درجۂ کمال پر۔ دکھ، عقوباتِ نار کی وہی صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں جن سے انسان فطرتاً فراری ہے اور جنت کی راحتیں اور نعمتیں بھی وہی گنائی گئی ہیں انسان جن کا فطرتاً طالب ہے۔ ان میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو سمجھ میں نہیں آسکتی یا فطرت کے خلاف ہو، ان کو من وعن تسلیم نہ کرکے ان کی تاویل کرنا یا بطورِ مثال سمجھنا، سمجھ کا قصور ہے۔ اسی طرح عالم آخرت کو روحانی عالم کہنا بھی کج فہمی کی علامت ہے روحانی عالم ایک ایسا نام ہے جس سے انسان کی بود و باش کا کوئی متعین نقشہ سامنے نہیں آتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عالم آخرت کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس کو پڑھنے سے انسانی زندگی، پرمسرت زندگی اور درد و اذیت کی زندگی کا پورا پورا نقشہ پیشِ نظر ہوجاتا ہے اور دل میں ابدی پرمسرت زندگی کی آرزو اور درد و اذیت کی زندگی کا خوف دونوں پیدا ہوجاتے ہیں۔ دل اندر سے چیخ اٹھتا ہے۔ من اصدق من اللہ قیلا۔ (اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچ اور واقعی ہوسکتی ہے)۔

انسان کی زندگی کے یہی دو رخ، اول و آخر، دنیا و آخرت، انسان کے

سامنے رکھے گئے اور اس کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ اپنے اعمال کا بدلہ اس چند روزہ دنیا ہی میں چاہتا ہے اور اسی عارضی زندگی کے بناؤ سنگار اور اس کے اسباب عیش و راحت کو مطلوب و مقصود قرار دیتا ہے تو اس کو اسی عالم میں اس کے نیک اعمال کا بدلہ دے دیا جائے گا۔

من کان یرید الحیٰوۃ الدنیا و	جو دنیا کی زندگی کو مقصود بنا لیتا ہے اس کی (نیکیوں)
زینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا و	کا بدلہ ہم اسی دنیا میں پورا پورا دیتے ہیں ان کے لئے
ھم فیھا لا یبخسون اولٰئک	اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی (مگر) ان لوگوں کے
الذین لیس لھم فی الاٰخرۃ الا	لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔
النار۔ (ہود ع پ۱۲)	

یعنی دنیا ہی میں ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ شہرت، فراخیٔ عیش، مال و اولاد کی کثرت، جاہ و حشم کی صورت میں عطا کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھیں کہ ان کی آخرت کی ابدی زندگی درد و اذیت، سوز و تپش کی ہوگی، کرۂ نار ان کا ٹھکانا ہوگا۔

خالقِ فطرت و فطرت کو سمجھنے اور نہ سمجھنے، انسانیت کا مذہب، دینِ حق اختیار کرنے اور نہ کرنے کے یہ قدرتی اور ابدی نتیجے ہیں اور ایسے ہی اٹل ہیں جیسے پانی کی خاصیت پیاس بجھانا اور آگ کی خاصیت جلانا ہے۔ یہ خاصیت اللہ ہی نے پیدا کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بدل نہیں سکتا۔ اسی طرح دین حق قبول یا رد کرنے کے جو عارضی و ابدی نتائج ہیں ان کو بدلنے کا اختیار بھی کسی مخلوق کو نہیں ہے۔ اس لئے اللہ جل شانہٗ نے دین حق کو دین واصب فرمایا ہے:

لہ ما فی السمٰوٰت والارض لہ	آسمان و زمین کی سب چیزیں اسی کی مطیع ہیں
الدین واصبا (النحل ع ۶)	لازمی طور پر اطاعت اسی کا حق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں جو انسان کے سلسلۂ حیات جاری رکھنے کے لئے باذنِ الٰہی اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔ ان کے افعال و آثار و خواص اور ان میں سے ہر ایک کا وقت جو اللہ جل شانہٗ نے مقرر کر دیا ہے وہ اتنا لازمی و اٹل ہے کہ

بجز خدا کے کوئی ان کو نہ آگے پیچھے کر سکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے۔ انسان بھی اللہ ہی کا مملوک و بندہ ہے اس لئے اس کو بھی اپنی فلاح و خیر کے لئے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے ضابطۂ حیات کی پابندی ضروری ہے۔ خلاف ورزی پر اس کو عارضی و ابدی نتیجے بھگتنے پڑیں گے "واصیا" کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اس دین کے تعزیری قوانین کو نفس کی خباثت و شرارت دور کرنے میں وہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے قانون سے خباثت و شرارت دور نہیں ہو سکتی نیز فطری جذبات کی تربیت کے لئے " دین حق " مزاجِ انسانی سے بالکل مطابق ہے۔ جس کی کماحقہٗ اتباع کے بغیر انسان اوصاف انسانیت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے سوا کسی اور طریقۂ تربیت کو مزاج انسانی قبول کر سکتا ہے۔ دین حق کی پیروی کے بغیر نہ انسان کی اصلاح ہوگی اور نہ انسان کے نفس کا تزکیہ اور نہ وہ تزکیۂ نفس کی ابدی جزا پا سکے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا ٭ جو شخص خدا کی فرمانبرداری کے سوا کسی اور
فلن یقبل منه وهو فی الاخرة ٭ طریقۂ زندگی کو اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول
من الخسرین (آل عمران ۶) ٭ نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان میں رہیگا۔

دین اسلام کے معنی

دین اسلام کے معنی ہیں انسان کا وہ طریقۂ زندگی جس میں اللہ تعالیٰ کی حسبِ ہدایت ازسرتا پا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی ہے اور یہ اطاعت و بندگی ہر شعبۂ زندگی میں اور پورے انسانی تعلقات میں ہے، چاہے وہ تعلقات گھریلو زندگی کے ہوں، چاہے اجتماعی زندگی کے، چاہے وہ تعلقات راعی و رعیّت کے ہوں یا ایک رعیّت کے دوسری رعیّت سے، باہمی تعلقات ہوں۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں اپنی زندگی بسر نہ کرے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم و ہدایت کی پابندی کر کے اپنی زندگی کو پاکیزہ نہ بنائے تو ابدی زندگی کا خسران یقینی ہے یعنی سوز و تپش اس کا آخری ٹھکانہ ہے خسرانِ آخرت کا یہی مطلب ہے۔

قل ان الخسرین الذین خسروا کہہ دیجئے کہ پورے گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جو

انفسھم واھلیھم یوم القیٰمۃ الا ٭ اپنی جانوں اور متعلقین سے قیامت کے روز
ذٰلک ھو الخسران المبین لھم من ٭ گھاٹے میں رہے یاد رکھو یہی صریح نقصان ہے۔
فوقھم ظلل من النار ومن تحتھم ٭ ان کے لئے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہونگے اور
ظلل ط (الزمر) ٭ نیچے سے بھی آگ کے شعلے۔

یہی وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا طریقہ زندگی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔ رضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدہ)

اپنے خود ساختہ طریقوں سے خدا کی بندگی کر کے یہ سمجھنا کہ خدا سب سے راضی ہے بڑی جہالت کی باتیں ہیں۔

زندگی کا نصب العین انسانی زندگی کا انجام، عالم آخرت ہے انبیاء علیہم السلام نے اسی یقینی و واقعی حقیقت پر ایمان لانے پر بڑا زور دیا ہے انسانی زندگی کا یہی قرآنی نصب العین، مقصودِ حیات ہے۔ اس پر یقین کئے بغیر انسان نہ بندۂ حق ہو سکتا ہے نہ بندگی کے مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔ بندگی رب جس کو قرآن مجید میں صراط مستقیم، سیدھی راہ فرمایا اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ایک منزلِ مقصود ہے۔ جس کو پانے کی یہی سیدھی راہ "بندگی رب" ہے۔ قرآن مجید کو غور و تدبر سے پڑھنے کی جو یہ ہدایت ہے

کتاب انزلنٰہ الیک مبارک ٭ کتاب کو آپ کی طرف ہم نے نازل کیا برکت
لیدبروا اٰیاتہ ولیتذکر ٭ والی ہے تاکہ سمجھ دار اس کی آیتوں میں غور کریں
اولوا الالباب ط (ص) ٭ اور اس سے نصیحت حاصل کریں۔

حیاتِ بعد الموت کو سمجھنے اور الجنۃ ہی کو منزل مقصود بنانے کے لئے ہے۔

قرآن مجید غور سے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام خود بھی ابدی مفاد کو ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے اور لوگوں کو بھی اسی طرف راغب کرتے تھے اخروی زندگی کے ضرر سے خود بھی ڈرتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہی ڈر بٹھاتے تھے۔

آخرت کا نقصان، ابدی نقصان کا خوف ہی در اصل خدا کا خوف ہے، خوف

آخرت اور خوف الٰہی کو جدا جدا سمجھنا صوفیانہ ذہنیت ہے۔ حق تعالیٰ عذابِ آخرت ہی سے اپنا خوف بٹھاتے ہیں کیونکہ عذاب اخروی غضبِ الٰہی کی صورت ہے۔

یخوف اللہ بہ عبادہ یٰعبادِ فاتقون (الزمر)

غرض اُخروی زندگی کے یہ دو عالم "الجنۃ" و "الجحیم" انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا بنیادی جز ہیں مگر انسان اس دنیا کی زندگی میں ایسا منہمک ہوا کہ انجام آخرت کو بھلا بیٹھا گویا وہ کوئی پیش آنے والی حقیقت ہی نہیں ہے۔ آج سے نو سو برس پہلے مفکر اسلام، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب امت کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو امت میں آخرت ہی کی تعلیم کا فقدانِ نظر آتا ہے۔

فاما علم طریق الاخرۃ ما درج علیہ	✧	طریق آخرت کا علم جس پر سلف صالح گزرے
السلف الصالح مما سماہ اللہ سبحانہٗ	✧	ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں
فی کتابہ فقھاً وحکمۃ وعلماً وضیاء	✧	فقہ / حکمت، علم، روشنی، نور، ہدایت اور
ونوراً وھدایۃ ورشداً فقد اصبح	✧	راہ یابی نام رکھا ہے وہ مخلوق سے اٹھا لیا گیا
من بین الخلق مطویا وصار	✧	ہے اور بالکل بھولی بسری بات ہو چکی ہے
نسیاً منسیاً۔	✧	

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں :-

و اگر از علماء آخرت پیدا شود چہ سعادت کہ صحبتِ او کبریت احمر است

(مطلب۔ آخرت کی طرف بلانے والے کی صحبت کبریت احمر ہے)

واقعہ یہ ہے کہ انسانوں نے جب کبھی اپنے خالق و رب سے روگردانی کی، اس کا ایک اہم سبب یہی تھا کہ انہوں نے اپنی فطری حیثیت بندگی کو بھلا دیا، اور اس کے بعد انسانی حیات کا انجام آخرت "نسیاً منسیاً" ہو گیا یا اخروی زندگی کے متعلق غلط تصورات ان میں جاری و ساری ہو گئے۔ قرآن مجید رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہونے کے علاوہ انسان کے سنوار و بگاڑ کی ایک مکمل و مستند تاریخ بھی ہے۔ اس میں انسانی برادری کے بگاڑ کی حقیقی علت عقیدۂ آخرت کے فساد ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ آج کی ترقی یافتہ

دنیا بھی اس جہل و نادانی میں مبتلا ہے اور اسی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی ہلاکت و بربادی کی طرف جارہی ہے یہ غلط تصور جاگزیں ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے انسانی زندگی کا نہ کوئی مقصد و مدعا ہے اور نہ آخری انجام، زندگی کا یہ نظام عبث و باطل ہے۔ گویا انسان ایک شتر بے مہار ہے جس کا کوئی مالک نہیں جس طرح چاہے، زندگی گزارے اور مرجائے۔ جو لوگ حق سے روگرداں ہیں اپنی فطرت ہی سے اندھے بنے ہوئے ہیں اپنے فطری مطالبات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کی نظر تو اس دنیا کے محدود دائرہ سے آگے جا ہی نہیں سکتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے دنیا ہی دنیا ہے۔ اس کے بعد نہ جینا ہے اور نہ جینے کے لوازم۔

قالوا ان هی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین۔ (الانعام) ﴿ انہوں نے کہا اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں ہے۔ اور ہم پھر نہ اٹھائے جائیں گے۔ ﴾

حیات بعد الموت کے قرآنی و فطری دلائل

انسان کی فطرت اور اس کے فطری خواہشات کا جو تعین اس کتاب میں کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ انسان مخلوق ہے، محکوم ہے اور اس کی یہ مخلوقیت و محکومیت اس بات کی علامت ہے کہ اس کا ایک خالق ہے اور حاکم حقیقی ہے بہ الفاظِ دیگر۔ ایک اعلیٰ و عظیم ہستی کی خالقیت و ربوبیت و حاکمیت انسان کے مخلوق اور محتاج و محکوم ہونے کی دلیل ہے اللہ اعلیٰ و عظیم کے متعلق یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی حاکمیت انسان کی موت کے بعد ختم ہوجائے گی اس کی فرماں روائی حقیقی ہے فتعلی اللہ الملك الحق (بس اعلیٰ و عظیم اللہ حقیقی فرماں روا ہے) حقیقی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لازوال و باقی رہنے والی ہے۔ انسان جو اللہ کا بندہ ہے۔ مرنے کے بعد اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ دنیا کی سعی و عمل کو قائم رکھنے والے فرماں روا کی شان عدل و رحمت سے بعید ہے کہ وہ بندوں کے اعمال کے صلے اور بدلے دینے پر قادر نہ ہو شانِ رحمت یہی ہے کہ ایک یوم حساب قائم ہو اور ایک عالم جزاء آباد ہو۔

کتب علی نفسه الرحمة لیجمعنکم　　رحمت ہی اللہ کی شان ہے تم کو ضرور قیامت کے

الی یوم القیمۃ لاریب فیہ ۔ ٭ اکٹھا کریگا اس میں کوئی شک نہیں ہے ۔

مطلب ظاہر ہے کہ یوم حساب قائم کرنا اور عالم جزا آباد کرنا رحمت ہی رحمت ہے نیک و بدکار کا ایک ہی انجام ، عدل و رحمت دونوں کے منافی ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

امنجعل الذین امنوا وعملوا الصلحت ٭ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے
کالمفسدین فی الارض امنجعل ٭ اچھے عمل کئے ان کے برابر کردیں گے جو فساد کرتے
المتقین کالفجار ۔ (ص ۳۶) ٭ ہیں زمین میں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر
٭ کردیں گے ۔

ایک غیر محدود رحمت والے فرماں روا کی لازوال حکومت کے لئے واقعی و یقینی ہے کہ اپنے مخلص و جاں نثار بندوں کو ان کے اعمال کا "خیر و ابقیٰ" صلہ عطا کرے اور نافرمان و سرکش بندوں کو ان کے اعمال بد کا بدلہ "لعذاب الاخرۃ اشد و ابقیٰ" کی صورت میں دے ۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ ارشاد ہے کہ یہ دنیا جو انسان کے تصرف و اختیار ، سعی وجد وجہد کی دنیا ہے اس کو بنانے والے نے باطل و بے مقصد نہیں بنایا ہے

ماخلق اللہ السمٰوٰت والارض و ٭ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو
مابینھما الا بالحق واجلٍ مسمّی ٭ ان میں ہیں حکمت سے اور ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے

سورۂ جاثیہ کے تیسرے رکوع میں "بالحق"[1] حکمت سے بنانے کی وضاحت فرمادی ۔

وَخلق السمٰوٰت والارض بالحق ولتجزیٰ ٭ اور آسمانوں و زمین کو حکمت سے پیدا کیا تاکہ ہر شخص کو
کل نفسٍ بما کسبت وھم لا یظلمون ٭ اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ۔

جزاء و حساب کا مطلب یہ ہے کہ انسان بے لگام نہیں چھوڑا گیا ہے کہ وہ دنیا میں من مانی زندگی بسر کرے اور فتنہ و فساد پھیلاتا رہے بلکہ اس کے آغاز حیات کا ایک انجام

---

[1] افسوس ہوتا ہے کہ دین میں غلو کرنے والے حضرات بالحق کا ترجمہ بوجود حق کرکے وحدۃ الوجود جو غیر قرآنی مسئلہ ہے اس کو قرآنی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں قرآن کی ایسی بے تکی تفسیر کو حدیث میں "تحریف الغالین" فرمایا گیا ہے واضح رہے کہ دین میں غلو کرنا شجر ممنوعہ ہے ۔ لاتغلوا فی دینکم ۔

یقینی ہے جو اللہ جل شانہ' کی قدرت کاملہ سے بعید نہیں جس نے ایک بے جان چیز سے جاندار بنایا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بے جان کر کے پھر جاندار بنائے اور جزائے اعمال کے لئے اپنے تمام بندوں کو اپنی حقیقی عدل و انصاف کی عدالت میں حاضر کرے۔

كيف تكفرون بالله وكنتم امواتاً ❊ تم کیسے اللہ کا انکار کرتے ہو (جس کی قدرت یہ ہے
فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم ثم ❊ کہ) تم بے جان تھے تم کو زندہ کیا پھر تم کو موت دیگا
اليه ترجعون۔ (البقرہ ۳) ❊ اور پھر تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹو گے۔

عقل و فطرت کا یہی فیصلہ ہے' یہی اعلان حق ہے۔قرآن مجید، کلام الٰہی جس میں جاہل و نادان انسان کو علم و دانشمندی سکھائی گئی ہے۔ وہ حیات بعد الموت کے یقین آفرین دلائل سے بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے نزول کا مقصد یہی ہے کہ انسان' جاہل انسان علم و عقل سیکھے، اپنی اصلی زندگی کو سمجھے، اپنے افکار و اعمال کی اصلاح کرے اور اس کے صلہ میں ابدی' اعلیٰ زندگی پائے۔ غرض سعی و جد و جہد، امتحان و آزمائش کا یہ ہنگامہ اپنے پیچھے ایک عالم جزا کی نشاندہی کر رہا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ انسان فطرتاً حیاتِ ابدی کا طالب ہے اس لئے انسان کی کامیابی یہی ہے کہ وہ ابدی عذاب نار سے محفوظ رہے اور ابدی اعلیٰ و غیر فانی زندگی اور اس کے درجات حاصل کرے۔

فمن زحزح عن النار وادخل ❊ جو دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا
الجنة فقد فاز (آل عمران) ❊ گیا وہ کامیاب ہوگیا۔

صرف کامیابی ہی نہیں بلکہ بہت بڑی کامیابی۔ ذٰلك هو الفوز العظيم۔

اللہ تعالیٰ جو بندوں کے لئے ہمہ خیر ہیں اور بندوں کے لئے ابدی بہتری کو پسند کرتے ہیں۔ بندوں کو اپنی بندگی کرنے کی دعوت اسی لئے دی ہے کہ بندے ابدی شاندار و عظیم کامیابی' مغفرتِ الٰہی اور الجنۃ حاصل کریں۔ والله يدعو الى الجنة والمغفرة باذنه (بقرہ ع۲۷)

اللہ تعالیٰ نہ صرف اس ابدی اعلیٰ و لازوال زندگی کی طرف بلاتے ہیں بلکہ اس زندگی کے لئے مسابقت کی ترغیب دیتے ہیں۔

سابقوا الى مغفرة من ربكم وجنة ❊ دوڑو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جس

عرضھاکعرض السماء والارض (الحدید) ٭ کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے۔

اور یہی نہیں بلکہ یہ ترغیب بھی دیتے ہیں کہ جلد از جلد اس زندگی کی تیاری کرو۔

سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ (آل عمران) ٭ جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت وجنت کی طرف۔

اور یہ کہ حرص کرنے والوں کو اسی زندگی کی حرص کرنی چاہیئے۔

وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔

دنیا میں فتنہ و فساد کی وجہ آج ترقی یافتہ دنیا کا ترقی یافتہ انسان روشن خیالی کے زعم میں حیاتِ بعد الموت کو ایک بے عقلی کی اور تعجب خیز (ان ہونی) بات سمجھتا ہے حالانکہ یہ سراسر تاریک خیالی اور جہل ہے۔ ہر زمانہ میں یہی ہوتا رہا کہ انجام آخرت کو بھولے ہوئے انسانوں کے سامنے ابدی حیات بعد الموت کا فطری و حقیقی نظریہ پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے تعجب ہی کیا یعنی اس کو ان ہونی سمجھا۔ اور کہنے والوں کو جادوگر کہہ دیا۔

اکان للناس عجباً ان اوحینا الی ٭ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں
رجل منھم ان انذر الناس وبشر ٭ ایک شخص کے پاس وحی بھیجی کہ سب آدمیوں کو
الذین اٰمنوا ان لھم قدم صدق ٭ (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ابدی بُرے انجام سے)
عند ربھم قال الکٰفرون ان ٭ ڈراؤ اور جو ایمان لے آئیں ان کو خوشخبری سناؤ کہ
ھٰذا لسٰحر مبین۔ (یونس) ٭ (مرنے کے بعد) ان کے رب کے پاس ان کے لئے سچائی
٭ کا بدلہ و درجہ ہے۔ تو کافروں نے کہا کہ یہ تو بلا شبہ
٭ جادوگر ہے۔

واقعہ تو یہ ہے کہ ابدی حیات بعد الموت کا فطری مطالبہ رکھ کر بھی اس سے انکار کرنا تعجب خیز ہے۔

وان تعجب فعجب قولھم ءاذا کنا ٭ اور اگر آپ کو تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ قول تعجب
ترابا ءانا لفی خلق جدید (الرعد) ٭ کے قابل ہے کہ کیا ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا
٭ از سر نو پیدا کئے جائیں گے۔

عقل کا اندھا پن اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جو بات عقل و فطرت کے مطابق ہے اس کو انسان خلافِ عقل سمجھے، دنیا کے گوشہ گوشہ میں فتنہ و فساد کی جو آگ بھڑک اٹھی ہے اور انسان کی خون ریزیوں کی جو تیاریاں کی جارہی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ حیات بعد الموت کی اصلی زندگی کو بالکل بھلا دیا گیا ہے اور صرف دنیا ہی مطلوب و مقصود بنی ہوئی ہے۔ اس بگاڑ کو سنوارنے کا انبیائی طریقہ یہی ہے کہ سب سے پہلے آخرت سے غافل انسانوں کو حیاتِ آخرہ کا یقین دلایا جائے۔ یقینِ آخرت ہی ہدایتِ رب سے سرفراز ہونے کی پہلی شرط ہے۔

زوالِ امت کا سبب زوالِ امت کا اصلی سبب یہی ہے کہ بعد الموت کی حقیقی زندگی نہ عوام کے سامنے ہے نہ کما حقہٗ خواص کے سامنے۔ ایک ایسی روشنی جس سے ہر ظلمت کافور ہو جاتی ہے "القرآن" اس کو ہاتھوں میں رکھ کر ہم ظلماتی گھاٹیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہماری حالت "کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب" سے کچھ کم نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ جل شانہٗ کسی اور طرف بلاتے ہیں، اور اہلِ علم و اہلِ کشف کسی اور طرف جارہے ہیں۔ جس قرآن کی غرض و غایت یہ ہے کہ طالبِ حق بندۂ مخلص و جاں نثار، زاہد، مجاہد، خلیفۃ اللہ بنا رہے۔ اور مرنے کے بعد اس مجاہدانہ زندگی کے صلہ میں خیر و ابقیٰ زندگی پائے۔ وہ قرآن آج حافظ و قاری بنانے یا بہت سے بہت زاہد گوشہ نشین بنانے کے لئے یا ایصالِ ثواب اور گنڈے تعویذوں کے لئے رہ گیا۔ باطل کی تند و تیز آندھیاں چل رہی ہیں اور اہلِ حق ہیں کہ ان کی گردِ راہ بنے ہوئے ہیں اپنے علم و دانش پہ اتنا غرّہ ہے کہ اس تباہ حالی کے جواز کے فتوے بھی صادر کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ جان و مال کی سلامتی اسی میں نظر آرہی ہے۔ حالانکہ "تفقہ فی الدین" دین کی سمجھ یہ ہے کہ اخروی زندگی کا اصلی نفع و ضرر ایسا ذہن نشین ہو کہ دنیا میں جو کام بھی کیا جائے اسی نفع و ضرر کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔

دینِ اسلام، خالق انسان نے اسی لئے نازل فرمایا ہے کہ بندے اس دینِ حق کو اختیار کرکے صالح و پاکیزہ زندگی بسر کریں اور دنیا میں اسی دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہیں۔ ابدی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کا یہی واحد الہٰی طریقہ ہے۔ دنیا میں عدل و احسان امن و سلامتی اسی کے قدرتی اثرات ہیں جس کو دنیا اسلامی دورِ حکومت کی تاریخ کے اوراق

میں کم و بیش دیکھ چکی ہے۔

صالحیت

کلمۂ طیبہ ۔ انسان صالح و پاکیزہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ بندگی حق پر قائم نہ ہو جائے جو اس کی فطری حیثیت ہے بندگیٔ حق کا نقطۂ آغاز ایمان باللہ ہے ۔ جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے حاصل ہوتا ہے ۔ اس کلمہ کا نام "القرآن" "صحیفۂ فطرت" میں کلمۂ طیبہ ہے یعنی پاک کلمہ ۔ مطلب یہ ہے کہ ان چند الفاظ میں دانش و آگہی کا جو غیر محدود ذخیرہ جاہل و نادان انسان کو عطا کیا گیا ہے اس سے انسان کا دل و دماغ اور اس کی زندگی تمام غیر فطری، ناشائستہ، انسانیت سوز و گندے افکار و کردار سے پاک ہو جاتی ہے۔

اس کلمہ کے پہلے الفاظ لا الٰہ میں انسان کے باطل و غیر فطری افکار کی تردید ہے اور الا اللہ سے عبد و رب کا فطری تعلق جڑ جاتا ہے ۔ باطل و غیر فطری افکار کا قرآنی نام شرک، کفر و نفاق ہے ۔ ان سے توبہ کر کے ہی حق و صداقت کا پیام "کلمۂ طیبہ" قبول کیا جا سکتا ہے ۔ دل جب تک ان گندے خیالات وعقاید سے پاک نہ ہو جائے نور ایمان سے منور نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے اولاً شرک، کفر و نفاق کا قرآنی مفہوم پیش کیا جاتا ہے۔

شرک ۔ اللہ جل شانہٗ کی ہدایت یہی ہے کہ تم اللہ ہی کے بندے ہو ۔ اللہ ہی کی بندگی کرو اور اللہ کی معبودیت میں کسی مخلوق کو شریک نہ کرو ۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہٖ شیئاً ⁂ اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو شریک نہ کرو۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنا یعنی کسی اور کو بھی الٰہ سمجھنا شرک ہے ۔

وما امروا الا لیعبدوا الٰھاً ⁂ ان کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ الٰہ واحد کی عبادت
واحداً لا الٰہ الا ھو سبحانہٗ ⁂ کریں کیوں کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اللہ
عما یشرکون ۔ (توبہ ۶ - ۵) ⁂ ان کے شرک سے پاک ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، عبد و رب کے فطری تعلق، افرادِ خلق سے انسان کا جو تعلق ہے اور موت کے بعد کی زندگی کی جو حقیقتیں ہیں، ان تمام امور

کے متعلق جو تعلیم دی گئی ہے اس کے خلاف کسی بات کو حقیقت سمجھنا اور ہوٰی و ہوس کی اتباع کرنا شرک ہے جس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی دیکھی یا ان دیکھی ہستی کو اللہ تعالیٰ کی رحمانیت، خالقیت، ربوبیت، رزاقیت، حاکمیت، غفاریت، مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی اسم حسن سے کسی مخلوق کو متصف سمجھنا یا مخلوق میں کسی اسم حسن کو ثابت کرنا یا اللہ تعالیٰ کے مقررہ نظام دنیا و آخرت یعنی اللہ کے امر و حکم و نہی کے نفاذ و اجراء و تدبیر میں کسی فرد خلق کو دخیل اور شریک کار سمجھنا۔ عام ازیں کہ وہ ملائکہ ہوں یا انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام یا اجنہ۔ مثلاً زندگی، موت، رزق، اولاد، صحت و مرض، عافیت، عذاب و مغفرت، ہدایت، گمراہی، غضب و رحمت، حاجت روائی و مشکل کشائی یا شرور و آفات سے حفاظت وغیرہ کے الٰہی نظام میں مخلوق کو شریک سمجھنا شرک ہے۔

لا یملکون مثقال ذرۃٍ فی السمٰوٰت	وہ ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں
ولا فی الارض وما لھم فیھما	میں نہ زمین میں اور نہیں ان کے لئے آسمان و زمین
من شرکٍ وما لہ منھم من	میں کوئی شرکت اور نہیں ہے ان میں سے کوئی
ظھیر (السباء ۳۶)	بھی اللہ کا مشیر۔

۲۔ مخلوق کی کسی صفت سے اللہ جل شانہٗ کو متصف سمجھنا شرک ہے مثلاً یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد ہے اور بی بی ہے یا وہ کسی سے مشورہ کئے بغیر حکومت نہیں کرسکتا۔

۳۔ انسان کا اپنے آپ کو مالک و مختار سمجھ کر من مانے زندگی بسر کرنا، شرک ہے یا انسانی تجاویز و قوانین اور احکام کو موجب فلاح و خیر سمجھنا یا امن و سلامتی، عدل و انصاف کے آئین و قوانین بنانے کی قابلیت و صلاحیت انسان کے لئے ثابت کرنا اور انسانی اقتدار کے آگے بطیب خاطر سربسجود رہنا شرک ہے۔

ما کان لھم الخیرۃ، سبحان اللہ	ان میں تجویز احکام کی کوئی قابلیت ہی نہیں،
و تعالیٰ عما یشرکون۔ (القصص ۶۸)	پاک ہے اللہ ان کے شرک سے اور برتر ہے۔

۴۔ فکر و تدبیر، سعی و جد و جہد کے نتائج کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھنا۔

۵ ۔ واقعات وحوادث و انقلابات اور موسمی تغیرات کو ستاروں کی گردش کا اثر سمجھنا، بدشگونی لینا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھانا، نجومی کی باتوں کو سچ سمجھنا۔

۶ ۔ اللہ جل شانہ، میں کوئی عیب یا نقص مثلاً ظلم، بے انصافی، جہل وغیرہ یا اللہ کے لئے جسم وصورت، حلول واتحاد وغیرہ ثابت کرنا شرک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے افعال ونظام پر اعتراض کرنا۔

۷ ۔ دنیاو آخرت کے نفع و ضرر کے تعلق سے جس کا ذکر فقرہ (۱) میں کیا گیا ہے اللہ کے برگزیدہ بندوں کو یا اجنہ وشیاطین کو مدد کے لئے پکارنا ان کی نذرو منت ماننا ان کے نشان یا آثار بناکر انکے آگے سربسجود ہونا، ان کے نام پر قربانی کرنا، ان کی قبر کا طواف ان کی تعظیم کے لئے ان کے سامنے قیام یا ایسے افعال جن سے اپنی عاجزی، ذلت اور ان سے اپنی احتیاج اور ان کے علو و برتری، جلال وکبریائی کا اظہار ہو شرک ہے۔

توضیح ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے بجائے مخلوق کا خوف ۔ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کے بجائے مخلوق سے وارفتگی، اللہ جل شانہ، پر اعتماد کی بجائے مخلوق پر اعتماد و بھروسہ، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے بجائے اپنی نمود و شہرت یا مخلوق سے جزا پانے کی نیت سے دینی امور انجام دینا جس کو ریا کہتے ہیں یہ سب شرک ہی کے اجزا ہیں۔

دینِ حق، علمِ حق، سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے میں کم و بیش شرک کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ علمِ دین حاصل کیا جائے۔ جہل کی وجہ سے اگر شرک کے اجزاء پرورش پاتے رہیں گے تو خسرانِ آخرت تویقینی ہے۔ زہر کو اگر شربت سمجھ کر پی لیا جائے گا تو اثر زہر ہی کا ہوگا۔ یہ جہل ہی کے نتائج ہیں کہ انسان، اللہ جلّ شانہ کی مخلوق، فرشتے، جن، نبی، ولی سے غیر طبعی امور، معجزہ وکرامت کا ظہور دیکھ کر ان کے آگے جھک جاتا ہے اور ان کو اپنا مشکل کشا وحاجت روا خیال کر لیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو اپنی قدرت کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے۔ نظامِ عالم میں ان کو تصرف کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور اللہ جل شانہ، کے پاس ان کو اس قدر رسوخ حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی حکم صادر کرتے ہیں اور نہ ان کے ذریعہ و واسطے کے

بغیر اللہ جل شانہ تک رسائی ہو سکتی ہے اور نہ دعاؤں کی شنوائی۔ اس شیطانی فریب میں جب انسان مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ نجات و مغفرت کے لئے اپنی فکر و عمل کی اصلاح ضروری نہیں سمجھتا اور اس دھوکہ میں مبتلا رہتا ہے کہ دنیا میں من مانی زندگی گزار کر خدا کے مقبول بندوں کو (اگر ان کے نام سے ایصالِ ثواب کر کے اور ان کی نذر و منت کر کے) راضی رکھے گا تو آخرت کی سختی سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ اور دنیا کے دکھ، درد اور حیرانی و پریشانی سے حفاظت ہو جائیگی۔ دنیا و آخرت کی خوش حالی فکر و عمل کی پاکیزگی سے نہیں بلکہ اللہ کے مقبول بندوں کے دامن سے وابستہ رہنے میں ہے"۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے قانونِ منع و عطا، نفع و ضرر، مغفرت و عذاب میں کسی فرد خلق کو رتی برابر دخل نہیں۔

والذین تدعون من دون اللہ لا ❊ اللہ کے سوا جن کو تم (واسطہ سمجھ کر) پکارتے ہو وہ
یملکون من قطمیر ۔ (الفاطر) ❊ رتی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

نیز جہل کی وجہ سے اس پندار میں رہتا ہے کہ اس کو خدا نے عقل و تدبیر اس لئے عطا کی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو سمجھے اور اس کے مسائل کا حل خود معلوم کرے۔ اور اپنی فلاح و خیر کے لئے اپنی زندگی کا نظام خود مرتب کرے ان شیطانی خیالات کی بنا پر اپنی ہویٰ و ہوس کی اتباع کرتا ہے اور مخلوق کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے خدا پرستی کی فطری راہ چھوڑ کر غیر فطری راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اللہ و رسول نے شرک سے بچنے کی بہت تاکید فرمائی ہے یہ ایسا مرض ہے جو غیر محسوس طور سے قلب میں گھر کر جاتا ہے۔ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ غیر محسوس جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ الشرک اخفی فیکم من دبیب النمل (الادب المفرد للامام البخاری)

اہل علم کے لئے یہی ضروری ہے کہ ہر وقت اپنے قلب کا جائزہ لیتے رہیں کہ غیر شعوری طور سے کہیں شرک کے جراثیم پرورش تو نہیں پا رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہی تعلیم دی اور یہ دعا سکھائی۔

اللّٰھم انی اعوذ بک من اشرک بک ❊ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ جان بوجھ

وانا اعلم واستغفرك لما لا اعلم ۔ کہ شرک کروں اور جو بغیر جانے بوجھے ہو جائے

اس کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں۔

انسان کی فطرت وحدت گزیں ہے مثلاً بہ خوشی کسی کا محکوم ہو تو اپنے حاکم کے سوا غیر کی حکومت پسند نہیں کرتا۔ اگر حاکم ہو تو اپنی حکومت میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں اس آیۂ کریمہ ءارباب متفرقون خیر ام ۔ کیا کئی حاجت روا بہتر ہیں یا صرف ایک ہی اللہ الله الواحد القهار (سورہ یوسف ع) ۔ غالب حاجت روا بہتر ہے۔

میں انسان کی وحدت پسند فطرت ہی کی طرف اشارہ ہے کہ شرک مزاج انسانی کے مطابق نہیں اور ایک ہی مرکز اعلیٰ و عظیم سے وابستگی اور اسی کی اطاعت و فرماں برداری انسان کی فطرت ہے۔ غرض یہ کہ مخلوق میں کسی ایک سے بھی بندگی و احتیاج کا تعلق قائم کرنا شرک ہے۔ حق تعالیٰ سے کھلی مخالفت حقیقی مالک و حاکم سے بغاوت ہے۔ اس مخالفت و بغاوت کے چندروزہ و ابدی نتیجے خالق انسان نے مقرر کر دیئے ہیں۔ جو نہایت تکلیف دہ ہیں اور وہی ہیں جس کو انسانی فطرت پسند نہیں کرتی مثلاً

انما المشرکون نجس (توبہ ع) ۔ بے شک شرک کرنے والے گندے ہیں۔

گندگی یہ کہ اللہ اعلیٰ و عظیم کا بندہ ہو کر اپنے ہی جیسے ادنیٰ یا اپنے سے کمتر مخلوق کا بندہ اور ہوئی و ہوس کا پرستار بن جائے گا تو اس ناپاکی کا ناپاک اثر افکار و کردار پر یہ ہوگا کہ ناپاک و پاک میں کوئی امتیاز نہ رہیگا گندی چیزوں سے نفرت نہ ہوگی۔ اس کی زندگی حیوانوں کی طرح ناپاک زندگی ہوگی، یعنی کمزور اور بے وسیلہ انسانوں کی حق تلفی کریگا۔ ظالموں کے آگے سر جھکائیگا۔ اپنی قوتوں کو ظالموں کی حمایت میں صرف کریگا۔ جبر و استبداد، دغا و فریب، غارت گری و خونریزی، جان و مال، عزت و ناموس کی بربادی ان شرک کرنے والوں کی سیاست ہوگی۔ ہوئی و نفس کے تقاضوں کی تکمیل لذت و شہوت پوری کرنے کے لئے غیر فطری ذریعے ان کی تہذیب کے بنیادی اصول ہونگے، کھیل تماشا، نسلی و قومی تفاخر مال و زن و اولاد کی کثرت کی ہوس، جسم و صورت، لباس و مکان کی تزئین و آرائش نام و نمود ان کا مطلوب و مقصود ہوگا۔

پچھلی قوموں کے واقعات تاریخ میں پڑھیئے ان کی سیاست و تہذیب کا یہی نقشہ رہا، اور اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی اللہ جل شانہٗ کے باغی اور نافرمان انسانوں کی زندگی کا جو چلن ہے ان کی حکومت کا جو نظام ہے۔ سرمایہ دارانہ ہو یا اشتراکی، شخصی ہو یا جمہوری، اس کے بھی یہی خط و خال ہیں۔ عقل اتنی اندھی ہو جاتی ہے کہ گندگیوں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اپنی حیوانی زندگی کو بہترین انسانی زندگی سمجھتے ہیں اور اسی کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔ بالکل سچ ارشاد ہے۔

ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او	کیا تم خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر بینا و دانا
یعقلون ان ھم الا کالانعام بل	ہیں؟ نہیں! وہ جانور ہیں بلکہ اس سے بھی
ھم اضل سبیلا (الفرقان ۴۴)	زیادہ گم گشتہ راہ ہیں۔

پالتو جانور میں اتنی تمیز تو ہوتی ہے کہ وہ اپنے کھلانے پلانے والے کو پہچانتا ہے۔ اور ایک حد تک اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔ مگر یہ اندھی عقل کے پتلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پرورش پاتے رہنے کے باوجود منکرِ حق ہوتے ہیں۔

شرک کا دوسرا عارضی و ابدی نتیجہ حبطِ اعمال ہے۔ لئن اشرکت لیحبطن عملک (زمر) (اگر شرک کروگے تمہارے عمل غارت ہو جائیں گے)

واقعہ۔ یہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں جو کچھ میسر آتا ہے وہ سعی و محنت کے بعد ملتا ہے۔ ہاتھ پیر چلانے (حرکت) کے بعد اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ محنت کے بعد ہی محنت کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے عمل برباد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تمام تر کوششوں کا جو ایک مقصد یہ ہے کہ اس کو امن و سکون کی زندگی، بےخوف و حزن زندگی نصیب ہو تو اس کا یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اور اس کو امن و راحت نصیب نہیں ہوتی۔ معاش کی طرف سے لبعد خرابی بسیار فراغت بھی ہو تو طرح طرح کے افکار و آلام اس کو لپیٹ جاتے ہیں نہ دماغ کو سکون ملتا ہے نہ دل کو چین۔ حبطِ اعمال کی یہ صورت تو اسی زندگی میں پیش آجاتی ہے آخرت میں حبطِ اعمال کی صورت یہ ہے کہ مشرک غیر اللہ کو آخرت میں اپنا وسیلہ و شفیع سمجھ کر ان کے نذر و منت کرتا رہتا ہے اور ان کے نام پر کافی روپیہ خرچ کرتا ہے تاکہ وہ اس کی مدد کریں۔ اس کے

یہ اعمال غارت ہو جائیں گے کیونکہ آخرت میں اس کا نہ کوئی شفیع ہوگا نہ ولی :-

لیس لھم من دونہ ولیٌّ ولا شفیعٌ (الانعام)

مشرکانہ پیمانہ زندگی کی ابدی جزا یہ ہے کہ مغفرتِ الہٰی و جنت سے یکسر محرومی نصیب ہوگی اور ابدی سوز و تپش کا عالم نار اس کا ٹھکانا ہوگا۔

ومن یشرک باللہ فقد حرم اللہ	❊	جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا آخرت کی خیر و ابقیٰ
علیہ الجنۃ وماوٰہ النار (المائدہ)	❊	زندگی اس پر اللہ حرام کر دیگا۔ اور اسکا ٹھکانا جہنم ہوگا

اس کرہ آتشین میں خاک کے پتلے، آگ کے پتلے اور آگ کا ایندھن بن کر ہمیشہ ہمیشہ جلتے بھنتے رہیں گے۔

اولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون ۔

شرک ہی وہ شجر خبیث ہے کفر و نفاق جس کی شاخیں ہیں ۔

کفر - کفر کی ایک جامع تعریف اللہ جل شانہ نے بیان فرمائی ہے ۔

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ	❊	بے شک جو لوگ اللہ اور رسولوں کا انکار کرتے ہیں
ویریدون ان یفرقوا بین اللہ	❊	اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور رسولوں میں تفریق کریں
ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر	❊	اور کہتے ہیں کہ بعض پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض
ببعض ویریدون ان یتخذوا بین	❊	پر ایمان نہیں لاتے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان
ذٰلک سبیلا اولٰئک ھم الکٰفرون	❊	ایک راستہ نکالیں ایسے لوگ واقعی کافر ہیں ۔
حقا ۔ (النساء)	❊	

اس آیت کے چار جز ہیں ۔ (۱) اللہ اور اسکے رسولوں کا انکار (۲) اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں کے حکموں میں تفریق (۳) کسی رسول پر ایمان اور کسی کا انکار (۴) اور ایک درمیانی راہ تجویز کرنا ۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ احکام و ہدایت الہٰی، رسالت اور احکام رسالت کا انکار کرنے والے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی وہ ہدایتیں جو لازم ملزوم ہیں ان میں فرق کرنے والے مثلاً رسول نے جن چیزوں کو حرام فرمادیا ہے ان کو اللہ کی حرام کی ہوئی نہ سمجھنا یا نماز کو فرض سمجھنا مگر پانچ وقت کی نمازوں کو فرض نہ سمجھنا، شریعت کے کسی حصہ پر عمل اور کسی حصہ کو ترک کرنے والے ۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے، از ابتدا تا ایں دم تمام انسانوں

کے لئے ایک ہی دین الہٰی، دین اسلام کو نہ ماننے والے حق و باطل کا ایک مخلوط مسلک اختیار کرنے والے ایسے تمام لوگ کافر ہیں اور اس قسم کے خیالات کفر ہیں۔ مزید تفصیل کتابوں میں درج ہے۔ یہاں چند ایسی باتیں لکھی جاتی ہیں جن کو عام طور پہ کفر نہیں خیال کیا جاتا۔

۱۔ دین کے احکام کو اپنے لئے مضر یا غیر مفید یا موجب شرم و اہانت سمجھ کر اختیار نہ کرنا کفر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے ناامید ہونا کفر ہے۔

۳۔ اہل حق سے تمسخر کرنا اور دین کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

۴۔ گناہ کو گناہ نہ سمجھنا اور گناہ کرنے پر خوش ہونا، اترانا اور منہیات کو موجب خیر و صلاح سمجھنا کفر ہے۔

دنیا کی محبت کی وجہ سے موت سے دہشت زدہ رہنا اور گھبرانا درِ باطل کے بھکاری بنے رہنا، اہلِ باطل کے باطل اغراض و مقاصد میں ان کا معین و مددگار رہنا اور ان کی تائید میں اپنی مالی و جسمانی قوتوں کو صرف کرنا اس نیت سے کہ کچھ دنیا کا نفع حاصل ہو جائے۔ کفر ہی کے اجزاء ہیں۔ اقبال کے ان اشعار میں اسی کافرانہ ذہنیت کی طرف اشارہ ہے۔

بتوں سے تجھکو امیدیں خدا سے نومیدی ؛ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

یہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں ؛ کہ مردِ حق ہو گرفتار حاضر و موجود

اپنے رب و مالک کے جاں نثار بندے بن کر انسانوں کی غلامی سے آزاد رہنے کی جدوجہد کے نشہ میں سرشار رہنے کے بجائے اہل باطل کی غلامی و تابعداری کے نشہ میں مخمور و مست رہنا اس بات کی علامت ہے کہ ؎

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں ؛ کچھ بھی پیغام الہٰی کا تمہیں پاس نہیں

وہ زندگی بخش پیغام جس کی حقیقت یہ ہے کہ انسانوں پر انسانوں کی حکومت انسان کے لئے دارین میں موجب خیر و فلاح نہیں، اللہ کے بندوں کی بھلائی، دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار رہیں اس پیغام کے وارث ابدی نفع و ضرر کو بھول کر انسانوں پر انسانوں کی حکومت کی ہوا خواہی میں اپنی بھلائی دیکھ رہے ہیں

ایک طرفہ تماشا ہے کہ فسق و باطل کی خدمت بھی اور حق کی پاسبانی کا ادعا بھی۔ ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کفر کا بدل بھی رحمتِ حق سے محرومی اور ابدی نار ہے۔

ان اللہ لعن الکافرین واعد لھم سعیرا خلدین فیھا ابدا (الاحزاب) ؛ اللہ نے بے شک کافروں کو رحمت سے محروم کر دیا ہے اور ان کے لئے جہنم تیار کی ہے۔ جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

نفاق ۔ نفاق، صدق و اخلاص کی ضد ہے ایمان میں صدق و اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی دعوت جس مقصد کے لئے دی ہے وہی ہمارا مطلوب ومقصود ہو، ہر کام میں اسی پر نظر ہو اور وہ آخرت کا ابدی نفع ہے۔ واللہ یرید الاخرۃ اس لحاظ سے نفاق جو صدق و اخلاص کی ضد ہے یہ ہے کہ ایک طرف اسلام و ایمان کا ادعا ہو اور ادھر ہر کام میں بجائے آخرت کے' دنیا کا نفع مطلوب رہے ' نفاق بڑا پوشیدہ مرض ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وحی سے ایمان و نفاق کا فرق معلوم ہو جاتا تھا۔ اب مرضِ نفاق کا پتہ چلانا ایک مصلح کے لئے بڑی دقتِ نظر کا کام ہے۔ لیکن کتاب و سنت میں اس مرض کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں ان سے اس مرض کا پتہ لگا کر انسان اپنی اور دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ مثلاً

۱ ۔ جب ان کو خدا و رسول کی اطاعت کے لئے کہا جاتا ہے تو پہلو تہی کرتے ہیں اور اطاعت سے جی چراتے ہیں۔ واذا قیل لھم تعالوا الیٰ ما انزل اللہ والی الرسول رأیت المنٰفقین یصدون عنک صدودا (النساء ۹۴ پ)

توضیح ۔ (اللہ و رسول کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کا نفع و ضرر پیشِ نظر نہ ہو' آخرت کا نفع و ضرر سامنے ہو ۔ خدا و رسول کی اطاعت سے جی چرانے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ نفع آخرت کے مقابلہ میں نفع دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے جو نفاق کی علامت ہے۔

۲ ۔ واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ (نساء ۲۱۶) ؛ جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی اور سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔

ولا یاتون الصلوٰۃ الا وھم کسالیٰ (توبہ ع)

یعنی بے دلی و بے توجہی سے پڑھتے ہیں۔ وقت گزار کر پڑھتے ہیں اور اس طرح پڑھتے ہیں کہ نہ قیام درست نہ رکوع درست نہ سجدہ درست نہ تلاوت۔

۳۔ یراؤن الناس۔ جو کام بھی کرتے ہیں وہ دکھاوے اور نام و نمود و شہرت کے لئے کرتے ہیں۔

۴۔ لایذکرون اللہ الا قلیلا۔ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں یعنی رات دن صرف دنیا اور دنیا ہی کی باتوں میں مصروف رہتے ہیں۔

۵۔ مذبذبین بین ذٰلک لاالیٰ ھٰؤلاء ولاالیٰ ھٰؤلاء۔ کفر و اسلام کے درمیان معلق، نہ ادھر نہ ادھر، ہوا کے رخ پر اڑنے والے، پانی کے دھارے پر چلنے والے، باطل کا فروغ دیکھا تو اس کے ساتھ ہوگئے۔ حق کا فروغ دیکھا تو حق کے ساتھ ہوگئے۔

۶۔ یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف (توبہ ۹ع) کفر و مخالفتِ اسلام کی تعلیم دیتے ہیں اچھی بات یعنی ایمان و اتباع نبوت سے منع کرتے ہیں۔ یعنی ہر اس کام کی طرف بلاتے ہیں جس میں صرف دنیا ہی کا فائدہ ہو۔

۷۔ یقبضون ایدیھم (توبہ ع ۹) اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں اور اگر خرچ بھی کرتے ہیں تو بڑی کراہیت قلبی کے ساتھ۔ لاینفقون الا وھم کارھون۔ (توبہ ع ۹)

۸۔ ان المنافقین ھم الفاسقون (توبہ ع ۹)، ہمیشہ نافرمانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور اپنی حالت پر کوئی شرم و ندامت محسوس نہیں کرتے۔

۹۔ اللہ و رسول کے ساتھ استہزا یعنی دین کی باتوں کا مذاق اڑانا بھی نفاق ہی کی علامت ہے۔ قل ابالله وآیاته ورسله کنتم تستھزءون۔ یہ خطاب منافقین ہی سے ہے۔

حدیث شریف میں بھی چار علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال ✤ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضور اکرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع ÷ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں ہیں جس
من کن فیہ کان منافقاً خالصاً ومن ÷ میں وہ چار ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں
کانت فیہ خصلۃ منھن کانت خصلۃ ÷ اس میں سے ایک بات ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت
من النفاق حتیٰ یدعھا اذا اؤتمن خان ÷ پائی جاتی ہے جب تک چھوڑ نہ دے (۱) جب امانت
واذا حدث کذب واذا عاھد غدر ÷ سپرد کی جائے خیانت کرے (۲) گفتگو میں جھوٹ بولے
واذا خاصم فجر۔ (متفق علیہ) ÷ (۳) معاہدہ میں بدعہدی کرے (۴) لڑائی میں گالی گلوچ کرے

اس حدیث میں نفاق سے بچنے کی تاکید ہے۔ اور یہ تنبیہ بھی ہے کہ ان چاروں خصلتوں سے جب تک توبہ نہ کی جائے مرض نفاق دور نہیں ہوتا۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں اتنا اور اضافہ ہے۔

وان صام وصلی وزعم انہ مسلم ÷ اگرچہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے کو مسلمان سمجھتا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ نماز روزہ سے اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ ہم مومن ہیں بلکہ اس مرض قلبی کا پتہ لگا کر اس سے بچتے رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے۔

وان المنافق اذا مرض ثم اعفی کان ÷ منافق بیمار ہونے کے بعد اچھا کر دیا جاتا ہے وہ اس
کالبعیر عقلہ اھلہ ثم ارسلوا فلم ÷ اونٹ کے جیسا ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھا
یدر لم عقلوہ ولم ارسلوہ (ابوداؤد) ÷ اور پھر چھوڑ دیا اس کو نہیں معلوم کہ کیوں باندھا
÷ تھا اور کیوں چھوڑ دیا۔

یعنی یہ غور نہیں کرتا کہ یہ مصیبت کیوں آئی اور کیوں چلی گئی۔ مصیبت کے بعد بھی اپنی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا میں انسان پر جو مصیبتیں نازل ہوتی رہتی ہیں وہ اس کی بداعمالیوں کی وجہ ہی سے نازل ہوتی ہیں۔ نافرمانوں پر مصیبت اس لئے نازل کی جاتی ہے کہ وہ چونکیں۔ ایمان کی علامت یہ ہے کہ انسان ان مصیبتوں میں اولاً اصلاح حال کی طرف مائل ہو اور نفاق یہ ہے کہ اس کا احساس بھی نہ ہو بلکہ مصیبت آنے سے چین بجبیں ہو کر اللہ تعالیٰ کی شکایتیں کرے۔

حضرت معلم حکمتؐ کے پُر حکمت ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے کہ خیانت، بد عہدی، دروغ بیانی، فحش کلامی جیسے گناہوں کا مرتکب اپنے ایمان میں سچا نہیں ہو سکتا کیونکہ مالی نفع اندوزی اور جان و مال کے نقصان سے محفوظ رہنے کا ذریعہ اس نے ان ہی گناہوں کو بنا رکھا ہے نفاق کی جزا بھی نار ہے بلکہ جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (توبہ ۴)

شرک، کفر و نفاق بیشک وہ خطرناک امراض ہیں جو شجر ایمان کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں مگر یہ خطرناک امراض جس فاسد مادہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کی محبت ہے یعنی دنیا کے نفع کو آخرت کے نفع پر اور آخرت کے ضرر کو دنیا کے ضرر پر ترجیح دنیا حب دنیا ہے۔

ذٰلك بانهم استحبّوا الحيوٰة الدنيا على الأخرة (النحل ۴)

ترجمہ (ان لوگوں کے کفر و شرک، وغیرہ میں مبتلا ہونے کی) وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو پسند کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہر چھوٹی بڑی خطا کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔

حب الدنیا رأس کل خطیئۃٍ

جاہل اقوام کے متعلق سنتِ الٰہی۔ حب دنیا، شرک، کفر و نفاق یہ سب جہالت کا نتیجہ ہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ قوموں کو " انکم قوم تجهلون - (تم سب جاہل قوم ہو) فرمایا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم جسم و صورت کی پرورش، تزئین و آسائش و آرائش کے لئے اختراع و ایجاد میں کتنی ہی ماہر کیوں نہ ہو۔ اگر وہ مذکورہ بالا غیر فطری افکار میں مبتلا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں جاہل اور جانوروں سے بدتر ہے۔ دنیا میں اس کو کتنا ہی اقتدار کیوں نہ حاصل ہو۔ یہ اقتدار دراصل قدرت کی طرف سے ان کے قلب و نظر پر غفلت کا پردہ ہوتا ہے اور اللہ رحیم و حلیم کی طرف سے ایک مہلت ہوتی ہے۔ یہ جاہل قومیں اس زعم میں مبتلا رہتی ہیں کہ غیر فطری افکار و اعمال میں مبتلا ہونے کے باوجود ان کو دنیا میں جو اقتدار و حکومت حاصل ہے وہ گویا ان پر اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہے۔ حالانکہ یہ اقتدار و مہلت یعنی ان سے اس عالم میں دارو گیر نہ کرنا اس بات کی علامت نہیں کہ

ہے کہ حق تعالیٰ ان پر مہربان ہیں بلکہ قدرت کی طرف سے ڈھیل دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے باطل زعم میں مبتلا رہیں۔ اور سیاہ کارانہ زندگی کے اوراق کو زیادہ سے زیادہ سیاہ کرتے رہیں۔

لا یحسبن الذین کفروا انما نملی	❖	کافر یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ ہم نے ان کو جو مہلت
لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم	❖	دی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم ان کو صرف اس
لیزدادوا اثما (آل عمران ۱۸۶)	❖	لئے مہلت دے رہے ہیں (دار و گیر نہیں کر رہے ہیں)
	❖	کہ وہ گناہوں میں اضافہ کرتے رہیں۔

(توبہ ع۱)

تاکہ اسی طغیان و سرکشی کفر کی حالت میں ان کو موت آئے۔ تزھق انفسھم وھم کافرون

مسلم کی دانش وبینش ۔ ان جاہل با اقتدار قوموں کے متعلق ایک مسلم کی یہی دانش ہونی چاہیئے کیونکہ مسلم وہی ہے جو اپنے دل و دماغ کو صرف علم حق کے نور سے منور رکھتا ہے اور جاہل اقوام کے غیر حقیقی، غیر فطری افکار و خیالات سے اور ان کی تہذیب و تمدن سے نہ متاثر ہوتا ہے نہ مرعوب، چاہے وہ کتنے ہی بلند و خوشنما کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں زمانہ کتنی ہی کروٹیں بدلے۔ دنیا کے حوادث و انقلابات تت نئی صورتیں اختیار کریں۔ زندگی کے نئے نئے نظریے اور مقاصد سامنے آئیں مگر مسلم کی نظر و مقصد حیات وہی ہوتا ہے جو حیات آفریں نے مقرر کر دیا ہے۔ یعنی "مغفرتِ الٰہی اور الجنۃ" اور اس مقصد کے پانے کے لیے، اس کے وہی فرائضِ زندگی ہوتے ہیں جو زندگی عطا کرنے والے نے متعین کر دیئے ہیں۔ اس کے خلاف جو روش و مسلک اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ کتنے ہی دباؤ، قوت سے پیش کیا جائے۔ مؤمن اس کو ٹھکرا دیتا ہے۔ غرض ان جاہل قوموں کی وقعت اس کی نظروں میں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ خواہ وہ مشرق و مغرب کے اہل حل و عقد ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر افسوس کہ مسلمان ان پڑھ ہوں کہ تعلیم یافتہ، ان کے قلوب کا جائزہ لیجئے تو دین کی صحیح تعلیم نہ ہونے سے ان جاہل اقوام کی طرح ان کے قلوب میں بھی دنیا مرجح آخرت مؤخر یعنی حبِ دنیا کا فاسد مادہ اور شرک و کفر و نفاق کی مہلک بیماریاں کم بیش پرورش پاتی نظر آتی ہیں۔ جن لوگوں کی نظر ان بیماریوں پر ہے وہ مسلمانوں کو اسلام و ایمان کی طرف بلاتے ہیں۔

اور ان کو حقیقی مسلمان بننے کی دعوت دیتے ہیں دین و ایمان کی صحت و سلامتی کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور جن لوگوں کی نظر مسلمانوں کے توریثی دین قولی ایمان و اسلام پر ہے وہ ان بیماروں کو مسلم و مومن ہونے کی سند اور مغفرت کا پروانہ عطا کرتے ہیں۔

توریثی اسلام و حقیقی اسلام کا فرق ۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے جو لگاؤ ہے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ لگاؤ اس بناء پر ہے کہ دین اسلام ان کا موروثی دین ہے یہی وجہ ہے کہ دینی اعمال جن کی غرض و غایت نفس کا تزکیہ اور قلب کی تطہیر ہے تاکہ مومن مجاھد فی سبیل اللہ بنا رہے۔ وہ دینی اعمال صرف رسمی ہوکر رہ گئے کیونکہ دینی اعمال بجا لانے کے باوجود نفس کی شرارتیں اور قلب کی گندگی جوں کی توں ہے ۔ فکر آخرت کے بجائے فکر دنیا میں غلطاں و پیچاں ۔ ہر وقت کھانے پینے لباس اور تزئین و آرائش کی ہوس ، دینداری بھی ہے تو برائے دنیا ۔ گھر میں اور گھر سے باہر دین قائم کرنے کی جد و جہد کرنا یعنی جہاد فی سبیل اللہ تو گویا نہ کوئی امر دینی ہے اور نہ کوئی نیک کام ۔ نتیجہ یہ ہے کہ دنیا پرست قوموں، معاشی جانوروں کی طرح مسلمانوں کی زبانوں پر بھی معاش معاش کی پکار ہے ۔ اور یہ غلط تصور قائم ہوگیا ہے کہ معاشی بے فکری کے بعد دینی اصلاح بہ آسانی ہوجائے گی ۔ دنیا ، معاش، مقدم ہے اور معاد آخرت مؤخر ۔ صحیح دانش یہ ہے کہ جو خیر و ابقیٰ ہے وہ مقدم ہے ۔

بل توثرون الحیوۃ الدنیا والاٰخرۃ ؛ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت جو خیر و ابقی ۔ (الاعلیٰ) ؛ خیر و ابقیٰ ہے (قابل ترجیح ہے)

فکر معاش بے شک ضروری ہے بلکہ محمود ! مگر وہ فکر معاش محمود ہے جس سے آخرت کی زندگی بگڑے نہیں بلکہ اور سنور جائے ۔ جس فکر معاش سے آخرت فراموش اور خدا سے غفلت ہوجائے ۔ وہ فکر معاش دین و ایمان کی موت ہے ۔ ؎

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے ؛ کھینچ لی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش

اگر دینِ اسلام کو توریثی دین نہیں بلکہ دین الٰہی سمجھ کر اختیار کیا جائے تو یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اصلاح حال فرمائیں ۔ فکر دنیا کے بجائے فکر آخرت غالب رہے ، نفع دنیا کے بجائے نفع آخرت مرجح اور ضرر آخرت کے بجائے ضرر دنیا مرجح ہوجائے ۔ فکر و عمل

کی اصلاح یعنی تزکیۂ نفس و تطہیرِ قلب کی ہمہ وقت دھن رہے اور جان و مال سے جہاد فی سبیل اللہ کی ہمت پیدا ہو جائے اور مسلمان اس زعم میں مست نہ رہے کہ صرف نماز و روزہ کی پابندی سے مغفرت حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس میں یہ قرآنی بصیرت پیدا ہو جائے کہ "نماز و روزہ کی پابندی اصلاحِ حال اور مردِ مجاہد بننے کے لئے ہے۔ اور مغفرت و جنت، جہاد فی سبیل اللہ کی باطل شکن کوشش و غیر قرآنی و غیر مسنون افکار و اعمال کے خلاف جد وجہد کرنے کا بدل ہے۔"

امرحسبتم ان تدخلوا الجنۃ و ❊ کیا تم نے خیال کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے

لما یعلم اللہ الذین جاھدوا ❊ حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے تم میں ان لوگوں کو نہیں دیکھا

منکم و یعلم الصٰبرین (آل عمران ع ۱۴) ❊ جنہوں نے جہاد کیا اور ثابت قدم رہے۔

(الصابرین، جہاد فی سبیل اللہ، اقامتِ دین کی جد وجہد میں جان و مال کا ہر نقصان بطیبِ خاطر برداشت کرنے والے) اور یہ بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ دین و ایمان کی سلامتی و ترقی کے ساتھ معاشی سہولتیں بھی بہم پہنچا دیتے ہیں۔

ایمان باللہ ۔ سطور بالا میں شرک کی جو مختصر تشریح کی گئی ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ انسان جہل کی وجہ سے اپنا عارضی و ابدی نفع و ضرر مخلوق کے اختیار میں سمجھ کر خوشی سے ان کے آگے سرنگوں، سربسجدہ ہو جاتا ہے ان کو خوش و راضی رکھنے کے لئے ان کی مرضی و ہدایت کی اتباع کرتا ہے۔ ان میں حاجت روائی، مشکل کشائی کارسازی کی قابلیت ثابت کر کے مشکلات و حاجات میں ان ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور ہر حیرانی و پریشانی میں مدد کے لئے ان ہی کو پکارتا ہے ان ہی کی نذر و منت کرتا ہے۔ ان کے نام کی کچھ علامتیں بنا کر (جیسے پتھر کی مورتی یا عَلَم یا جھنڈے) ان کی تعظیم کرتا ہے یا ان کی قبور پہ سجدے اور ان کا طواف کرتا ہے۔ اس طرح ان سے اپنی عقیدت اور اپنی نیازمندی کا اظہار کرتا ہے۔ اور ان ہی کی ناراضی سے ڈرتا ہے چاہے وہ ملائکہ ہوں یا اجنہ، حضراتِ انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیائے کرام یا ملوک و سلاطین یا احبار و رہبان (مذہبی پیشوا) ہوں اور یہ کہ اپنی زندگی کا خود کو مالک و مختار سمجھ کر

ہوا و ہوس، نفسانی خواہشات کی من مانی پیروی کرتا ہے اور اپنی زندگی کے آئین و قوانین مرتب کرتا ہے۔ یہ سب غیر اللہ کو اور اپنی ہویٰ کو الٰہ بناتا ہے۔ غیر اللہ کی پرستش اور اپنی خواہشات کی بندگی و اتباع ہے یہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے اللہ تعالیٰ کو خالق و رب مان کر اللہ تعالیٰ کا انکار ہے' اور اللہ تعالیٰ کی عارضی و ابدی رحمتوں سے دور کر دینے والی گمراہی' "ضلالاً بعیداً" ہے کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ جاہل و نادان انسان کو یہ علم و آگہی بخشی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا زمین و آسمان میں کوئی فردِ خلق الٰہ نہیں ہے اور نہ انسان اپنی زندگی کا مالک و مختار ہے بلکہ انسان اور انسان کے تمام خود ساختہ "الٰہ" اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں انسان کی عارضی و ابدی زندگی کا نفع و ضرر کسی فردِ خلق کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ مخلوقات میں نفع و ضرر، منع و عطاء، ذلت و عزت، ہدایت و ضلالت وغیرہ کی جو قابلیتیں بظاہر نظر آتی ہیں اور خود انسان میں سننے، دیکھنے، سمجھنے، کام کاج کرنے کی جو قوتیں ہیں اور تصرف و اختیار کی جو قابلیت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا فیض و اثر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے توجہ و ارادہ سے ہر آن جاری و ساری ہے۔ اللہ جل شانہٗ جس قوت و قابلیت کو جس وقت چاہیں چھین لیں۔ اللہ تعالیٰ ضرر پہنچانا چاہیں تو اللہ ہی کے سوا کوئی اسکو دفع نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ نفع پہنچانا چاہیں تو کوئی روک نہیں سکتا۔

وان یمسسك اللّٰہ بضرٍ فلا کاشف	٭ اگر تم کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے
لہ الا ھو وان یردك بخیرٍ فلا	٭ کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو
رآد لفضلہ ط (یونس ع)	٭ کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے
	٭ والا نہیں۔

اور یہ کہ جس طرح انسان کی بقاءِ حیات' رہنے سہنے، کھانے پینے، سونے جاگنے وغیرہ کی فطری خواہشات' اللہ جل شانہ' خالقِ فطرت کے مقررہ نظامِ حیات کی کماحقہٗ اتباع سے پوری ہو رہی ہیں' اسی طرح انسان کی یہ جو فطری خواہش ہے کہ اس کو اس زندگی میں خوف و حزن دامنگیر نہ رہے اس کے افکار و اعمال میں حسن و خوبی، صالحیت

و پاکیزگی پیدا ہو تاکہ وہ اپنے فطری تعلقات کو اچھی طرح لڑائی جھگڑے کے بغیر قائم رکھ سکے ہر ایک کے حقوق عدل و احسان کے ساتھ ادا کر سکے ۔ اور اس کو ایک لازوال، اعلیٰ حسن و کمال، راحت و شادمانی کی زندگی حاصل ہو تو یہ فطری خواہشات بھی اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں ۔ جبکہ انسان اللہ تعالیٰ کی مرضی و ہدایت کی پوری پوری اتباع کرے یعنی انسان کی عارضی و ابدی زندگی میں خیر و خوبی و حسن و کمال اور اس کو بقاء و دوام بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے فیضان ہی سے حاصل ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت کے بعد اللہ تعالیٰ کی توجہ سے یہ فیضانِ حق انسان میں جاری ہو جاتا ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ ہی الٰہ واحد ہیں معبود و مستعان ہیں ۔

اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ (طٰہٰ)

انسان کو زندگی اور زندگی گزارنے کا پورا پورا سامانِ حیات اللہ تعالیٰ ہی نے عطا کیا ہے ، اللہ تعالیٰ ہی انسان کو صحیح و فطری راہ عمل کی تعلیم دینے والے اور فطری و غیر فطری ، صحیح و غلط افکار و اعمال کی ابدی جزاء دینے کے لئے انسان کو مرنے کے بعد زندہ کرکے اپنے روبرو حاضر کرنے والے ہیں ۔ اس لئے دنیا و آخرت میں حمد ہے تو ان ہی کے لئے ہے اور اصلی و حقیقی حکومت ہے تو ان ہی کی حکومت ہے ۔ ایسی حکومت جس میں انسان ہی کی حاجت روائی و کارسازی ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہی الٰہ واحد ہیں ۔ (سورہ قصص ع ۶)

وھو اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ ولہ الحکم والیہ ترجعون

اور یہ کہ ہر چھپی ، ڈھکی اور کھلی چیز ، خلوت و جلوت کی اور دل میں چھپی ہوئی ہر بات اور انسان کا ہر عمل ، اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں ۔ اور جاہل انسان کو ہر وہ علم عطا کرتے ہیں جس کا تعلق جزائے اعمال کے ابدی عالم غیب سے ہے یا سعی و عمل کے عالم شہادت سے اور انسان کو اس کی محنتوں کا بدل ، پورا بدل دیتے ہیں ۔ (رحمانیت) اور محنت سے زیادہ بدل دیتے ہیں ۔ اور انسان کی خطاؤں کو وہی معاف کرنے والے ہیں اور ہر قسم کے شر و رو آفات سے حفاظت کرتے اور ہر مشکل میں مدد کرتے ہیں (رحیمیت) ۔ انسان جو محتاجِ رحمت ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہر حکم و ہدایت ایک رحمت ہے انسان اللہ کی ہدایتوں پر عمل

کرکے ہی اللہ تعالیٰ کی عارضی وابدی رحمتوں کا مستحق ہوسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہی معبود و مستعان ہیں۔

هو الله لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم (الحشر)

اللہ تعالیٰ ہی گناہوں پر پردہ ڈالنے۔ گناہوں کو بخشنے والے ہیں گناہگار کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ اور سخت عذاب دینے والے، بہت بڑی قوت والے ہیں۔ اس لئے وہی معبود و مستعان ہیں۔

غافر الذنب وقابل التوب شديد العقاب ذى الطول لا اله الا هو (المؤمن)

کامل غلبہ واقتدار اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ جس کے تحت کائنات کا ہر ذرہ ہر آن حرکت میں ہے اور ہر حرکت، حکمتوں سے معمور ہے۔ جس میں انسان کے لئے عقل و دانائی کا سبق ہے تاکہ وہ اپنے اصلی نفع و ضرر کو سمجھے اور اس سمجھ سے دنیا کے کاروبار انجام دے اور ابدی خیر و ابقیٰ منافع حاصل کرے۔ اس لئے وہی معبود و مستعان ہیں۔

لا اله الا هو العزيز الحكيم (آل عمران ۶)

انسان کی دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے آگے سرِ نیاز خم رکھے سرِ تسلیم و اطاعت جھکا دے۔ ان کے حسبِ ہدایت ان کی عبادت کرے اور ہر مشکل و مصیبت حیرانی و پریشانی میں ان ہی سے مدد مانگتا رہے۔ ان کے ہر حکم و ہدایت پر چلے۔

فالٰهكم اله واحد فله اسلموا (الحج ع۵)

اس زندگی بخش تعلیم میں انسان کو بندہ بننے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کو افرادِ خلق تمام انسانوں اور نفس و شیطان کی بندگی کے جنجال سے چھڑا کر بندگیٔ رب کا شرف عطا کیا جارہا ہے جو انسان کی فطری حیثیت ہے یہ بصیرت افروز حقیقت جب طالبِ حق سمجھ لیتا ہے اور قبول کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و توجہ سے اس کی دانش و بینش میں ایک بڑی تبدیلی یہ پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ تمام خود ساختہ معبود "الٰہ" نظروں سے گرجاتے ہیں۔ اور اپنی حاکمیت و خود مختاری کا پندار فنا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بجائے اللہ جل شانہٗ کی عظمت و جلالت و کبریائی، فرماں روائی و حاجت روائی (ربوبیت) اور اپنی فطری حیثیت محتاجی و بندگیٔ رب واضح ہوجاتی ہے۔ اور وہ بذوق و شوق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کا اعلان کر دیتا ہے۔جس میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت واحدہ اور اپنی بندگی کا دلی اقرار ہے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے اور زندگی کی ہرحرکت وسکون میں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم و ہدایت پر عمل کرنے کا قلبی عہد و پیمان ہے۔"محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں علماً و عملاً، سیرتاً و صورتاً اتباعِ رسالت کا یہ اقرار واثق بھی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ سے استعانت، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے جو طور وطریق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیئے ہیں وہی قابلِ اتباع ہیں۔(اس کے بعد اگر خدا و رسول کی اطاعت و اتباع سے گریز کیا جائے تو" وماھم بمؤمنین" (وہ ایمان نہیں لائے) کا اطلاق ہوگا)

توضیح۔ اسوۂ حسنہ کی پوری پوری اتباع ہی تزکیۂ نفس اور تطہیر قلب اور صحیح بصیرت قرآنی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔غیر مسنون اشتغال و مراقبات سے انسان زاہد گوشہ نشین تو ہو سکتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ اور خلیفۃ اللہ نہیں بن سکتا۔ اور نہ صحیح بصیرت قرآنی عطا کی جاتی ہے۔)

دوسری تبدیلی مطلوب و مقصود کی تبدیلی ہے۔ دنیا کا تنعم و تعیش، لذات و شہوات کی فکر و طلب و حرص کے بجائے "تکالیف آخرت جن کا سلسلہ قبر کی منزل سے شروع ہوجاتا ہے ان سے محفوظ رہنے کی فکر اور مغفرتِ الٰہی وجنت کی طلب وحرص پیدا ہوجاتی ہے۔ اور (۱) خوف ورجا (۲) شکر (۳) صبر (۴) محبت (۵) ذکر (۶) توکل (اعتماد وبھروسہ) (۷) دعاوطلب امداد (۸) بندگی و اطاعت (۹) توبہ (اعترافِ قصور و ندامت وطلب عفو) ان فطری جذبات کا تعلق تمام باطل مراکز سے ٹوٹ کر حقیقی، اعلیٰ وعظیم مرکز، اللہ جل شانہ، سے قائم ہوجاتا ہے۔ اور صالح و پاکیزہ زندگی کی ابتدا ہوجاتی ہے۔جو حیات ایمانی کی پہلی منزل، صدق و اخلاص، ہدایت اور بندگیٔ رب کا بنیادی مقام ہے۔جس کے بعد حق سبحانہ، تعالیٰ کی ولایت و ہدایت اور معیت بندۂ مؤمن سے متعلق ہوجاتی ہے۔

قوتِ ایمانی کا سرچشمہ۔ولایت یہ ہے کہ اپنے آغوشِ رحمت میں مؤمن

کی پرورش کرتے ہیں۔ دین و ایمان میں توانائی و پختگی پیدا کرتے جاتے ہیں۔ اور دل و دماغ و زندگی کے ایک ایک تاریک گوشہ کو نورانی بناتے جاتے ہیں۔

الله ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ (البقرۃ ع ۳۴) ÷ اور اللہ اہل ایمان کے ولی ہوجاتے ہیں ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں۔

ہدایت یہ ہے کہ ہر موقعہ و محل پر صحیح عمل کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ہمہ قسم کی مخالفتوں میں صحیح روش پر قائم رکھتے ہیں۔

ان اللہ لھاد الذین اٰمنوا الی صراطٍ مستقیم۔ (الحج ع ۷) ÷ بے شک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو راہ راست پر چلاتے ہیں۔

معیّت "وان اللہ مع المؤمنین" یہ ہے کہ مخالف ماحول میں اہل ایمان کی مدد کرتے ہیں دشمنوں کے قلوب میں اہل ایمان کا رعب بٹھا دیتے ہیں۔ کمیٔ تعداد و کمیٔ سامان کے باوجود اہل ایمان کو کامیابی و غلبہ عطا کرتے ہیں، اہل باطل کی قوتوں کو پاش پاش کر دیتے ہیں ہر مشکل میں ثابت قدم رکھتے ہیں راہِ حق میں جان دیدینا آسان کر دیتے ہیں۔ ہر باطل قوت سے بے خوف کر دیتے ہیں اور اہلِ باطل کے کید و مکر سے، ان کی شرارتوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی یہی توجۂ خاص قوتِ ایمانی کا لازوال سرچشمہ ہے۔

تقدیر۔ تقدیرِ الٰہی پر ایمان لانا ایمان باللہ کا اہم جزو ہے۔ مگر غلط تعبیرات کی وجہ سے اس کا مفہوم اتنا بگڑ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بے خوفی و بے نیازی پیدا ہوگئی اور دینی جمود و تعطل پیدا ہوگیا حالانکہ ایمان باللہ میں بہ تعلق نفع و ضرر، منع و عطا، خیر و شر تمام مخلوق سے بے خوفی، ناامیدی اور بے نیازی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سے خوف و امید ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سے پوری پوری نیاز مندی ہے تقدیر جو ایمان باللہ ہی کا جزو ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بہ تعلق نفع و ضرر وغیرہ مخلوق سے خوف و امید باقی نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سے خوف و امید پیدا ہوکر انسان آستانۂ حق پر سرافگندہ ہوجائے اور اللہ جل شانہ کے در کا فقیر بنا رہے۔ اور مخلوق سے بے خوف رہ کر سرگرم عمل رہے۔ اس کے سوا جو کچھ سمجھا جاتا ہے۔ وہ شیطانی وسوسے ہیں۔ تیسرا

بسرِتقدیر کے نام سے جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ کشف کی بات ہے کتاب وسنت کی بات نہیں
نیز ایمان بالآخرت ، ایمان بالرسالت ، ایمان بالکتاب اور ایمان بالملائکہ ، یہ سب
ایمان باللہ کے لازم وملزوم اجزاء ہیں۔ ایمان بالملائکہ کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ بھی اللہ
تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں۔ نظمِ عالم کی مختلف خدمات ان کے تفویض ہیں جن کو ملائکہ حکم
الٰہی کے مطابق انجام دے رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی کارسازی وکارفرمائی میں وہ دخیل و
شریک نہیں ہیں نہ وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں۔

فطری جذبات کی تشریح ۔ (۱) خوف ورجا۔ انسان اسی سے خوف کرتا ہے جس سے اس کو اپنی جان و مال ، اولاد وعزت ، وغیرہ کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے ماننے سے یہ یقین پیدا ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر مخلوق میں سے کوئی نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ضرر۔ ذلت ۔عزت ، منع و عطا عارضی وابدی زندگی کا سنوار و بگاڑ صرف اللہ بزرگ و برتر ہی کے اختیار میں ہے ۔ تو دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوجاتا ہے اور مخلوق کا خوف باقی نہیں رہتا اور تمام امیدیں اللہ تعالیٰ ہی سے وابستہ ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کے عارضی نتائج وابدی نتائج یعنی آخرت کا خوف ۔ انسان اگر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی توجہ و رحمت سے محروم رہ کر دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا ہونا یقینی ہے ۔ دنیا میں یہ نقصان کہ سکون وراحت قلبی نصیب نہیں ہوتی اور آخرت کا یہ نقصان کہ جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا ۔ اللہ کا خوف جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر باطل قوتوں سے بے خوفی اور عبادت و اطاعتِ حق میں پختگی ہوگی ۔ دین کی حفاظت و اشاعت کا حوصلہ اس میں پیدا ہوتا جائے گا۔ نفس و شیطان کی مخالفت پر ہمہ وقت آمادہ رہے گا ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا یہ پہلا اثر ہے کہ دل میں مخلوق کا خوف نہ رہے اللہ ہی کا خوف رہے۔

فلا تخافو ھم وخافون ان کنتم مؤمنین ۔ ⁂ پس تم ان سے مت ڈرو ، صرف مجھ ہی سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ (آلِ عمران ع ۱۸)

ایک خوف وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے ہوتا ہے یہ خوف تو ظالم سے دور رکھتا ہے اور اللہ کا خوف، اللہ کی رحمت سے قریب کرتا ہے۔ یعنی جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہیں رہتا بلکہ غضب الٰہی کا سزاوار ہو کر دنیا و آخرت کا نقصان اس کو برداشت کرنا لازمی ہے تو خدا کا یہ خوف انسان کو بذوق و شوق ان اعمال پر ابھارتا ہے جن پر عمل کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق و امیدوار ہوتا ہے۔

بعض قطعی مہلکات کا بھی انسان کے دل میں خوف ہوتا ہے۔ وہ خوف درحقیقت اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کا خوف ہے۔ مثلاً آگ سے جل جانا دراصل اللہ بزرگ و برتر کا مقرر کردہ نظام ہے اس نظام کی خلاف ورزی سے جو خوف پیدا ہوتا ہے دراصل وہ خدا ہی کا خوف ہے۔ شرط یہ ہے کہ دانش صحیح رہے۔ غرض اللہ جل شانہٗ سے خائف رہنے کا مطلب یہی ہے کہ دل میں مخلوق کا خوف نہ رہے اور انسان ان تمام نفسانی خواہشات کی پیروی سے اجتناب کرے جو دنیا و آخرت میں اس کے لئے سخت مضر ہیں۔ ورنہ خوفِ الٰہی خوف آخرت کا ادعا فریبِ نفس ہے شیطانی چال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کی علت یہ بیان فرماتے ہیں۔

كَلَّا بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ۞ بلکہ ان کے دل میں انجام آخرت کا ڈر نہیں۔

ایمان باللہ کا پہلا اثر خوف الٰہی ہے۔ یہی انسان کو صلاح و ہدایت کی طرف مائل کرتا ہے۔

(۲) **شکر**۔ یہ جذبہ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں غور و فکر سے اور ان کی یاد سے پیدا ہوتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اس کی زندگی باقی رکھنے کے لئے زندگی کا تمام سامان پیدا کیا، ان سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے دل و دماغ، دیکھنے سننے کی قوت عطا فرمائی، سب سے بڑا انعام یہ کہ ایمان عطا کیا، صحیح مسلک پر رکھا۔ یہ تمام اللہ جل شانہٗ کے احسانات ہیں اس لئے وہی مستحق شکر ہیں جو نعمت بھی انسان کے پاس ہے حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہے۔

ومابکم من نعمة فمن الله (النحل) ؂ جو نعمت بھی تمہارے پاس ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ تمام ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرماکر اتمام نعمت فرمایا۔ واسبغ علیکم نعمه ظاھرۃ و باطنة (لقمان) (اور تم پر ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں) اس لئے حکم یہی ہے کہ واشکروا نعمت الله ان کنتم ایاہ تعبدون (النحل) (اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اللہ ہی کے بندے ہو۔)

شکر تین باتوں سے پورا ہوتا ہے (۱) ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا (۲) نعمت کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرنا جس مقصد کے لئے نعمت دی گئی ہے (۳) منعم کی حمد و ثنا کرتے رہنا۔

زندگی گزارنے کے سامان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال نہ کیا جائے تو یہ کفرانِ نعمت ہے۔ غور کیا جائے تو زندگی کی ہر سانس، ہر حرکت، ہر سکون ایک نعمت ہے ان بے حد و حساب نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کیا شکر ادا کر سکتا ہے حق تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان ہے کہ اس اعترافِ عجز ہی کو وہ شکر قرار دیتے ہیں۔ اپنے کاروبار میں مومن حق تعالیٰ کی نعمتوں کو جس قدر ملحوظ رکھے گا، اسی قدر وہ اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرتا رہے گا دین کے حکموں پر پورا پورا عمل کرنا دین کی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔ نعمت انسان کی نظر میں جتنی اہم ہوگی اتنی ہی اس کی مسرت اور قدر زیادہ ہوگی اور منعم کا شکر بھی زیادہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ دین و ایمان کی نعمت پر جس قدر شکر کیا جاتا ہے اسی قدر دین و ایمان میں پختگی و استحکام ہوتا ہے۔ آیتِ ذیل میں خصوصیت سے اسی سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

لئن شکرتم لازیدنکم (ابراہیم) ؂ اگر تم شکر کرو تو ہم ضرور (ایمان) زیادہ کریں گے۔

اس بشارت میں سب سے زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ نعمت بڑھانے کے وعدہ کے بعد نعمت زائل ہونے کا احتمال نہیں رہتا اس طرح خاتمہ بالخیر کے بارے میں قلب کو اطمینان حاصل رہتا ہے۔ شکر سے حق تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ وان تشکروا یرضه لکم دین حق نازل فرماکر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ لقد من الله

علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ۔ اس لئے شکر و امتنان کے جذبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں پر عمل ہو گا تو دین و ایمان میں شوق و لذت محسوس ہو گی ورنہ دین ایک بوجھ معلوم ہو گا ۔

انسان کی زندگی دو حال سے خالی نہیں ہے ۔ راحت ہے یا مصیبت ۔ اب دین و ایمان کی سلامتی اور ترقی اسی میں ہے کہ راحت کا زمانہ شکر میں ، اور مصیبت کا زمانہ صبر میں گزارا جائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

الایمان نصفان نصف فی الشکر ❖ ایمان کے دو حصے ہیں نصف شکر کرنے میں ہے

ونصف فی الصبر ۔ ❖ اور نصف صبر کرنے میں۔

گویا شکر و صبر کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا انسان کی فطرت کمال کی طالب ہے اور اللہ جل شانہ کی یہی مرضی ہے کہ بندۂ مومن کامل الایمان ہوجائے ۔ اس لئے راحت و مصیبت کی ساعتیں اس پر گزرتی رہتی ہیں تاکہ بندہ کمال ایمان کا مقام حاصل کر لے ۔

(۳) صبر و رضاء بالقضاء ۔ راحت و آسائش کی جدوجہد میں جو تکلیفیں پہنچتی ہیں ان کو برداشت کرنا ، ان پر ثابت قدم رہنا صبر ہے ۔ حق تعالیٰ کی جن نعمتوں میں ہم پرورش پا رہے ہیں جن سے ہم استفادہ کر رہے ہیں کبھی وہ نعمتیں امتحان کے لئے کبھی آخرت کی غفلت سے بچانے کے لئے یا ہمارے گناہوں کی وجہ ہم سے چھین لی جاتی ہیں اسی کا نام مصیبت ہے اس کو باذن الٰہی سمجھ کر برداشت کرنا صبر ہے ۔ اس زندگی میں حق تعالیٰ کوئی نعمت چھین لیتے ہیں تو آخرت کی زندگی میں اس کا بے حساب بدل عطا فرماتے ہیں اس بدل پر جب ہماری نظر ہو تو صبر آسان ہو جاتا ہے ۔

صبر میں بھی تین باتیں ضروری ہیں ۔

(۱) مصیبت کو من اللہ سمجھنا ، خواہ وہ کسی صورت سے پہنچے ۔

(۲) یہ سمجھ کر کہ اس میں میرے لئے کوئی بھلائی ہو گی جسے میں سمجھ نہیں سکتا ، شکوہ و شکایت نہ کرنا ۔

(۳) مصیبت برداشت کرنا۔

(توضیح:۔ مصیبت دفع ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور اس کے دور ہونے کی شرعی تدبیر کرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ البتہ مصیبت سے حیرانی و بدحواسی نہ ہو اس کے دور کرنے کے لئے ناجائز طریقے نہ اختیار کئے جائیں، جائز تدبیریں نہ بن پڑ سکیں تو قلب میں شکایت و اعتراض نہ ہو، دعا و تدبیر میں تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی پر عمل ہے۔ اس لئے یہ عبادت کی تعریف میں داخل ہے جس کا اجر آخرت میں ملنا یقینی ہے۔)

ایمان لانے کے بعد بسا اوقات مصیبت ضرور نازل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ ایمان حقیقی ہو اور سمجھ کر اختیار کیا گیا ہو۔ یہ مصیبت امتحان کے لئے ہوتی ہے۔، اللہ بزرگ و برتر کو رب تسلیم کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ ہمارے لئے ہمہ خیر ہیں۔ رب اسی کو کہتے ہیں جس کے پیش نظر مربوب کی صلاح و خیر ہو۔ اور حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر اپنے بندوں کی خیر و فلاح ہی ہے۔ یہ ایمانی کیفیت قلب میں کس حد تک راسخ ہوئی ہے، اس کو حق تعالیٰ جانتے ہیں۔ مگر انسان نہیں جانتا۔ نیز ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کی محبت دل سے نکل جائے۔ اس لئے دنیا کی محبوب چیزوں کو چھین لینے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ہم سے کس حد تک حب دنیا کے مہلک مرض کا ازالہ ہوا ہے۔ اور کس حد تک نہیں ہوا۔ یعنی انسان کو اس کے قلب کی کمزوری سے مطلع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مصائب نازل فرماتے ہیں تاکہ مومن اپنی کمزوری سے آگاہ ہو کر اصلاح حال کی طرف توجہ کرے۔ انسان کی کمزوری یہی ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو رب تسلیم کرنے اور آخرت کی زندگی کو مقصود بنانے کے باوجود جب زندگی کے واقعات انسان کی مرضی کے خلاف پیش آتے ہیں تو وہ ان پر معترض ہوتا ہے۔ چین بجبیں ہوتا ہے۔ شکوہ و شکایت کرتا ہے کہ "ایسا کیوں ہوا" یہ نہ ہونا چاہیئے تھا" یوں ہوتا تو بہتر ہوتا"، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے خیالات و اعتراضات، اقرار ربوبیت کے منافی ہیں، اسی لئے قلب کی اس باطنی کمزوری کو دور کرنے کے لئے جان، مال، بھوک، پیاس اور دیگر نقصانات سے اللہ جل شانہٗ آزماتے ہیں۔ اس امتحان کے موقع پر ہر مومن کو چاہیئے کہ ان مصائب کو

برداشت کرے یعنی صبر کرے۔ ان کو من اللہ سمجھے، اپنے لئے خیر سمجھے، ان کے نازل ہونے اور دفع نہ ہونے پر نہ معترض ہو نہ حیران و پریشان اور نہ شکوہ و شکایت کرے بلکہ اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ خصوصاً اہل باطل کی جانب سے اشاعتِ حق کے سلسلہ میں اہلِ حق کو جان و مال کی تکالیف پہنچتی رہتی ہیں۔ یہ بھی دراصل اللہ جل شانہٗ ہی کی طرف سے ایک امتحان ہے اس امتحانی دور میں اگر مومن کی زندگی ختم ہوجائے تو اس کو شہادت کا درجہ عطا کیا جاتا ہے اور اگر یہ دور کامیابی سے گزر جائے تو بندۂ مومن دنیا و آخرت میں عام و خاص رحمتوں کا مستحق ہوجاتا ہے اور اس کو ہدایت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کرنے کی بشارت دی جاتی ہے۔

ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع	ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے
ونقص من الاموال والانفس	اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے
والثمرات وبشر الصابرین الذین	صابرین کو بشارت سنادیجئے جن پر کوئی مصیبت آتی
اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا	ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور اللہ
انا للہ وانا الیہ راجعون ٥	تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں ان لوگوں پر ان
اولٰئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ	کے رب کی طرف سے خاص رحمت بھی ہوگی اور عام
واولٰئک ھم المھتدون ٥ (بقرہ ع۱۹)	رحمت بھی۔ یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

کیا فضل و کرم ہے کہ صبر کے ساتھ جان دے دی تو شہادت کا درجہ پایا اور صبر کے ساتھ زندہ رہے تو ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے اور خاص و عام رحمت کا مستحق ہونے کی بشارت ملی، فالحمد للہ رب العٰلمین۔

مؤمن کے لئے صبر کے مختلف مواقع ہیں مثلاً (۱) اہل باطل پر بالعموم دنیا کشادہ نظر آتی ہے۔ جسے دیکھ کر مومن کے دل میں گرانی پیدا ہوتی ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ ہم تو اللہ جل شانہ کو اپنا رب دل سے مانتے ہیں، اپنی وسعت کی حد تک ان کی بندگی کرتے ہیں مگر دنیا ہم پر کشادہ نہیں ہے یہاں صبر کا پہلو یہ ہے کہ اسلام لانے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آخرت کے نفع کو دنیا کے نفع پر ترجیح دی ہے ہمارا مطلوب آخرت ہے۔

دنیا نہیں ہے ۔ اب اگر دنیا تنگ ہے تو یقیناً دنیا کشادہ ہونے میں ہماری آخرت کا ضرر ہے یہ حکمتِ الٰہی واضح ہونے کے بعد اہل باطل کو اپنے مقابلہ میں خوش حال دیکھ کر قلب میں حزن و ملال پیدا نہ ہوگا اور صبر آسان تر ہو جائیگا، چونکہ اس ادراک سے ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے ۔ اس لئے مصیبت میں شکر پیدا ہو جائے گا ۔ اور الحمد للہ علیٰ کل حال کا مقام حاصل ہوگا ۔

(۲) دین و ایمان کی حفاظت اور حق کی اشاعت کے سلسلہ میں لوگوں کی بدگوئی و بد اخلاقی، ترش روئی، لعن وطعن کو بہ طیبِ خاطر برداشت کرے اور اپنا فرض انجام دیتا رہے ۔

(۳) دین کی حفاظت یا حق کی اشاعت کے سلسلہ میں اگر ترک وطن پر مجبور ہو تو سفر وغیرہ کی تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی گوارا کرے ۔

ہدایت کے بلند منزلیں طے کرنے کے لیے شکر و صبر دو راہیں ہیں ۔ اور ایمان کا بلند درجہ یہ ہے کہ ہر تکلیف میں شکر کا پہلو نکال کر شکر میں مشغول رہے ۔

صبر کے فائدے:۔ (۱) اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی مدد فرماتے ہیں "ان اللہ مع الصابرین" یعنی مشکلیں آسان کردی جاتی ہیں ۔

(۲) صبر کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ "واللہ یحب الصابرین" مطلب یہ ہے کہ خوف و حزن میں مبتلا نہیں رکھتے، مصیبت میں بھی سکون و طمانیت عطا کرتے ہیں یا مصیبت وقوع ہونے کے سامان پیدا فرما دیتے ہیں ۔ ان آیات میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مؤمن پر مصیبتوں کا آنا اس کے محبوبِ حق ہونے کی خاص علامت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے ۔

وان اللہ عزوجل اذا احب قوماً ٭ اللہ تعالیٰ جس کسی گروہ کو دوست رکھتا ہے
ابتلاھم (ترمذی، ابن ماجہ) ٭ تو اس کو آزماتا ہے ۔

(۳) صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں ۔ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ۔ اس ارشاد میں یہ بشارت ہے کہ راہ حق میں مصیبت کو

برداشت کرنے والوں سے نامۂ اعمال کی پرسش نہ ہوگی۔

صبر کے علاوہ ایک اور مقام رضا بالقضا ہے وہ یہ ہے کہ رزق و عافیت، مال و اولاد وغیرہ کی کمی، تنگی اور جان و مال کا نقصان جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر ہے اس سے ناراض نہ رہنا۔ عافیت وصحت سے رہنے کی دعا و کوشش کے بعد اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھیں خوش رہنا۔ طبعی طور پر تکلیف سے بےچین ہونا۔ آہ و اُف کرنا منافی رضا نہیں۔ جیسے کڑوی دوا پیتے وقت تکلیف ہوتی ہے مگر دل حکیم سے راضی رہتا ہے۔

(۴) محبّت ۔ جہل کی وجہ سے خود ساختہ معبودوں سے عقیدت و محبّت رہتی ہے ایمان باللہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے گہری عقیدت و محبّت قائم ہوجاتی ہے۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ	اور ایک آدمی وہ بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کے سوا دوسروں
اندادا یحبونھم کحب اللہ والذین	کو بھی شریک خدائی قرار دیتے ہیں اور ان سے ایسی محبت
اٰمنوا اشد حبا للہ۔ (بقرہ ۲۰۶)	رکھتے ہیں جیسی اللہ سے اور جو مومن ہیں ان کو صرف اللہ
	سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

نیز انسان کو فطرتاً اپنی جان سے محبت ہوتی ہے اس لئے ان تمام چیزوں کو محبوب رکھتا ہے جن پر اس کی زندگی کا دارو مدار ہے۔ جیسے مال و دولت، بیوی بچے وغیرہ، ایمان کے بعد جب یہ حقیقت ذہن نشین ہوجاتی ہے کہ جانِ عزیز اور اس کے تعلق سے تمام محبوب و مرغوب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی نعمتیں ہیں تو عطا کرنے والے سے محبّت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور محبّت کے باطل رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جان و مال و اولاد سے محبّت باقی نہیں رہتی بلکہ اللہ سے شدید محبّت رکھنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ مخلوق کی محبّت اللہ تعالیٰ کے حکم و ہدایت کی بجا آوری میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتی۔ اب جان و مال و اولاد وغیرہ کی محبت اور ان کی خدمت و حفاظت اس وجہ سے صحیح ہوجاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں نفس کا ذاتی لگاؤ صحیح ہوجاتا ہے۔

انسان فطرتاً اسی سے محبّت کرتا ہے جو انسان کو بہت زیادہ چاہتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں انسان کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ جس کی

ایک علامت تو یہ ہے کہ تمام مخلوقات میں سب سے اچھی صورت انسان ہی کی بنائی۔

صورکم فاحسن صورکم (تغابن)

دوسری علامت سب سے زیادہ چاہنے کی یہ ہے کہ انسان کے کھانے پینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان غذاؤں کا انتخاب فرمایا جو ذائقہ و بو و فائدہ کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں۔ عمدہ قسم کے جانور، عمدہ قسم کے میوہ جات، عمدہ قسم کے نباتات، عمدہ قسم کے مشروبات بجز ان کے جو انسان کی صحت و اخلاق کے لئے مضر ہیں۔

فکلوا مما رزقکم اللہ حللا طیباً ۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق دیا ہے حلال وپاکیزہ اس سے تم کھاؤ

خود فطرت انسانی میں یہ لطافت ودلیعت ہے کہ ناقص، خراب، بدذائقہ، بدبودار اور گھانس، فضلہ کے قسم کی کوئی چیز انسان کو پسند نہیں ہے نیز انسان کو تمام مخلوق کے مقابلہ میں مکرم و صاحب عزت بنایا۔ لقد کرمنا بنی آدم (بنی اسرائیل)

جس کی واضح علامت یہ ہے کہ تمام مخلوق انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعا (بقرہ)

اور تمام مخلوق انسان کے لئے مسخر کردی گئی ہے اور انسانکو ان پر تصرف عطا کیا گیا ہے۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض (لقمان)

انسان ہی کو حکومت وسیاست کی قابلیت عطا فرمائی گئی ہے جو کسی مخلوق کو نہیں عطا کی گئی یعنی اپنا خلیفہ، نائب بنایا۔ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ (بقرہ)

ان تمام خصوصی عنایتوں میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی جاتی ہے۔

(محبت کی مزید تشریح قرب و صدیقیت میں کی گئی ہے)

اللہ جل شانہٗ سے شدید محبت پیدا ہونے کا لازمی اثر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سب سے زیادہ محبت ہو نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی امت سے بہت محبت تھی۔ امت ہی کی خاطر دنیا کی ہر تکلیف آپ نے اپنے لئے گوارا فرمائی (ملاحظہ ہو تمہیدی باب "معلم انسانیت") نیز ہر نبی کو ایک خاص مقبول دعا دی گئی آپؐ نے اپنی یہ خاص دعا امت کی شفاعت کے لئے اٹھا رکھی

لکل نبی دعوۃ مستجابۃ فتعجل کل	ہر نبی کو ایک مستجاب دعا ملی سو ہر نبی نے دعا مانگنے
نبی دعوتہ وانی اختبأت دعوتی	میں جلدی کی اور میں نے اٹھا رکھی اپنی دعا قیامت
شفاعۃ لامتی الی یوم القیمۃ فھی	کے دن امت کی شفاعت کے لئے جو انشاء اللہ تعالےٰ
نائلۃ ان شاء اللہ تعالیٰ (مسلم)	مقبول ہوگی۔

غرض سب سے زیادہ اللہ و رسول سے محبت کئے بغیر دین وایمان میں کوئی رنگ پیدا نہیں ہوتا وہ رنگ قرآن مجید میں جس کا نام صبغۃ اللہ (البقرہ) ہے اور نہ دین وایمان میں کوئی لذت پیدا ہوتی ہے۔

ثلث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ	تین خصلتیں ہیں جن میں یہ ہوں اس نے ایمان کی
الایمان من کان اللہ ورسولہٗ	لذت پائی ایک یہ کہ اللہ و رسول اس کے نزدیک
احب الیہ مما سواھما (الخ) (متفق علیہ)	ماسویٰ اللہ سے زیادہ محبوب ہوجائیں۔

بعض لوگوں میں یہ غلط خیال پیدا ہوگیا ہے کہ شریعت الگ ہے اور محبت الگ ہے جو کماحقہٗ دینی بصیرت نہ ہونے کی علامت ہے۔ حالانکہ محبت، شریعت ہی کا ایک ایسا جزو ہے کہ بقول اقبال "عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدۂ تصورات"۔ اور حافظ شیرازی کہتے ہیں کہ اگر خدا و رسول کی محبت نہ ہو تو دل مرض نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ع

ہر کہ عاشق وش نباشد در نفاق افتادہ بود

(۵) **ذکر** - یاد و توجہ۔ اس کا تعلق دل سے ہے زبان و عمل سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ دل کی غفلت سے جو ذکر ہو وہ نہ حقیقت میں ذکر ہے اور نہ اس سے ذکر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ جس سے اس کو محبت ہوتی ہے دل میں اسی کی یاد رہتی ہے۔ زبان پر اسی کا نام رہتا ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے اسی کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی انسان کی اسی فطرت کو بتلایا گیا ہے۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ اس لئے اہل ایمان کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔

یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً	اے ایمان والو کثرت سے اللہ کا ذکر
کثیرا۔ (الاحزاب)	کرو۔

کثرت سے ذکر کرنے کی توضیح یہ ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ ہی کی یاد رہے۔
فاذکروا اللہ قیاماً و قعوداً وعلیٰ ٭ پس اللہ کا ذکر کرو اٹھتے بیٹھتے اور
جنوبکم۔ (نساء ۱۰۶) ٭ لیٹے بھی۔

ان ہدایتوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "بیٹھے رہو تصور جاناں کئے ہوئے" یہ باہم انسانی محبت کے اثرات ہیں۔ یعنی انسان کو کسی انسان سے محبت ہو جاتی ہے تو پھر کسی کام کاج میں اس کا جی نہیں لگتا۔ اور وہ چاہتا ہے کہ میں محبوب کے تصور میں ہر وقت بیٹھا رہوں۔ اللہ اور بندے کی محبت ایسی نہیں ہوتی اللہ جل شانہٗ کی محبت میں گم سم رہنا نہیں ہے بلکہ ایک حرکت و بیداری ہے۔ ہر مشکل و حاجت میں اللہ کی طرف رجوع کرنا اور ہر موقعہ و محل کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا جو حکم و ہدایت ہے اس پر عمل اللہ کو یاد رکھنا ہے۔ کتاب و سنت میں ذکر الٰہی کی ایک جامع و متعین صورت نماز ہے۔ فریضۂ نماز کی پابندی کی تاکید اس لئے ہے کہ بندگی کے فرائض سے غفلت نہ ہو بندہ سراپا دعا و سراپا اطاعت بنا رہے۔ آیۂ اقم الصلوٰۃ لذکری (میری یاد قائم رہنے کے لئے نماز قائم کرو) میں ذکر کا یہی مطلب ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں اور بعض قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو "ذکر اللہ" کا یہی مفہوم واضح ہوتا ہے مختصر تشریح یہ ہے۔

ذکر الٰہی کا قرآنی مفہوم ۔ ابدی حیات بعد الموت کو ہر وقت پیش نظر رکھنا اور عذاب نار سے محفوظ رہنے کی ممکنہ فکر کرنا، ابدی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دُھن خوفِ آخرت و خشیتِ الٰہی، شکر و حمد الٰہی، مصائب میں ثابت قدمی، معاملات میں توکل، شبانہ روز خاص اوقات میں مسنون طریقہ پر بصورتِ نماز درِ رب پر جبیں سائی، بہر حال و بہر صورت بہ طیبِ خاطر مرضئ رب کی اتباع، جس میں حقوقِ نفس و حقوقِ والدین و اہل و عیال ہمسایہ دوست، احباب، یتیم، بیوہ، نادار، معذور، ضعیف، کمزور انسانوں کے حقوق کی پوری حفاظت ہے عام انسانوں کے ساتھ ہمدردی، تواضع و انکساری ہے، دشمنانِ حق سے عناد ہے، جبر و استبداد، ظلم و زیادتی، بغض و حسد و کینہ، حبِ زر و مال کا

استیصال، اہل باطل سے حریفانہ کش مکش، علماً و عملاً دینِ حق کی بقاء و اشاعت، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اعلائے کلمۃ الحق، بذوق و شوق جانی و مالی قربانی یہ سب کچھ ذکر الہیٰ کی تعریف میں داخل ہے۔ صحابہ کرام کی زندگیوں کو دیکھئے، خلوت، جلوت، گھر میں بازار میں، دوست احباب کی مجلسوں میں، راحتوں میں، مصیبتوں میں، سجدوں میں۔ میدانِ جدال و قتال میں، کاروبار و معاملات میں، ان ہی صورتوں سے ذکر الہیٰ جاری و ساری تھا ان حضرات کی زندگیوں میں ذکر الہیٰ کے مروجہ طور و طریق نظر نہیں آتے جو صدیوں سے دنیائے اسلام میں رائج ہیں۔

ایک بڑی غلط فہمی جس میں عوام و خواص دونوں مبتلا ہیں یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ کی تعلیم کا مقصد یہ بتلایا جاتا ہے کہ انسان ہر وقت اللہ کی یاد میں محو رہے یہ بالکل غلط ہے اور غیر اسلامی مذہبی اقوام کا نظریہ ہے اسلام میں ذکر الہیٰ بھی قرآنی و نبوی تعلیم کا ایک جز ہے۔ اور قرآنی تعلیم اسلئے ہے کہ انسان فلاح دارین حاصل کرے۔ چنانچہ ذکر کے سلسلہ میں بھی اسی مقصد کو بیان کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (جمعہ) ﴿ اور تم کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل مقصد فلاح دارین حاصل کرنا ہے اور دیگر ہدایتوں کی طرح ذکر کی ہدایت بھی اسی مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے اور دراصل حق تعالیٰ کے فضل و رحمت اور اللہ و رسول کی ہدایتوں کو اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے کھاتے پیتے میں ملحوظ رکھنا ہی ذکر اللہ ہے

ذکر کا فائدہ۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (بقرہ) ﴿ تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔

مطلب یہ کہ تم اپنے کاروبار میں جتنا میری طرف رجوع رہو گے، میرے فضل و رحمت کو ملحوظ رکھو گے، میرے حکم و ہدایتوں پر کاربند رہو گے۔ اتنا ہی میں تمہاری مدد کرتا رہوں گا اور تمہارے عیوب پر تم کو مطلع کرونگا اور تم کو ان کے اصلاح کی توفیق ہوگا اس طرح تم کو اصلاح کے بلند ترین مقام پر فائز کیا جائے گا۔

(۶) **توکل (اعتماد و بھروسہ)** اللہ تعالیٰ کی ہدایت و حکم کو دنیا و آخرت میں اپنے لئے موجب صلاح و خیر سمجھ کر ہر حال و ہر صورت ان کی پابندی کرنا توکل ہے۔

واتبع ما یوحی الیک من ربک ان اللہ کان	تمہارے رب کی طرف سے جو وحی کی گئی ہے اس کی پیروی کرو
بما تعملون خبیرا و توکل علی اللہ ۔	بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے اور اللہ تعالیٰ
(الاحزاب ع ۱)	پر اعتماد کرو ۔

یعنی ترکِ اسباب توکل نہیں ہے۔ بلکہ اسباب ظاہری و اختیاری کو احکام الہٰی کے مطابق کام میں لانا توکل ہے ۔ انسان کو کوئی حاجت یا ضرورت یا مشکل پیش آتی ہے تو اس وقت انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک تو اس کے پاس کماحقہٗ اسباب رہتے ہیں دوسرے یہ کہ اسباب نہیں رہتے ، پہلی صورت میں شریعت کے حکم کے مطابق اسباب اختیاری سے کام لینا اور اس کے نتائج کو اللہ کے سپرد کر دینا توکل ہے۔ دوسری صورت میں جبکہ اسبابِ ظاہری پورے نہ ہوں تو جتنے اسباب اختیار میں ہوں ان کو کام میں لائے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد اور اپنی حالت اللہ کے سامنے پیش کر دے اور "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" کہہ کر مطمئن ہو جائے یہ نکتہ کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ مقصود اصلی اخروی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانا ہے۔ اور دینی اعمال اس کے بہتر بنانے کے ذرائع ہیں خواہ اس عالم میں نتائج انسان کی مرضی کے مطابق ہوں یا اس کے خلاف ہوں جزائے آخرت تو قطعی و یقینی ہے اس لئے اس عالم کے نتائج کے خیال سے قلب مومن میں کوئی حیرانی و پریشانی پیدا نہیں ہوتی ۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی محافظ و نگہبان ہیں ۔ کارساز و کار فرما ہیں ۔ مشکلات کو وہی آسان کرنے والے ہیں ۔ انسان صرف سعی و عمل کرتا ہے۔ اس کے نتائج حق تعالیٰ پیدا کرتے ہیں ۔ پس نتائج جو کچھ پیدا ہوتے ہیں عارضی ہوں کہ ابدی وہ سعی و تدبیر سے نہیں پیدا ہوتے بلکہ محنت کے بعد اللہ تعالیٰ نتائج پیدا کرتے ہیں ۔ پس اعتماد و بھروسہ کے قابل اللہ تعالیٰ ہی ہیں نہ کہ سعی و تدبیر یا اور کوئی سبب ۔ اس لئے اہلِ ایمان کا وصف ہے وعلی اللہ فلیتوکل المومنون (آل عمرانؑ) اور "مومنین اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں" یعنی ان کو اللہ تعالیٰ پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ وہ ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر عمل اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کی اتباع کرنے ہی میں اپنی بھلائی دیکھتے ہیں توکل کے بعد حق تعالیٰ کافی ہو جاتے ہیں ۔ "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ (طلاق) کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے مشکل آسان کریں گے حاجت

و ضرورت پوری ہونے کا انتظام فرما دیں گے یا ضرورت و حاجت پوری نہ ہو تو قلب مومن کو حزن و غم میں مبتلا نہ ہونے دیں گے اور اگر نتائج منشاء کے مطابق ہوں گے تو شکر کی توفیق عطا فرمائیں گے، توکل صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ کوئی تدبیر یا دعا کرتے وقت یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ ہوگا تو وہی جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے اور جو اللہ چاہیں گے وہی ہمارے لئے خیر ہے اور نتائج کی طرف سے تردد دامنگیر نہ رہے۔

(۷) طلب امداد و دعا۔ دعا کے معنی ہیں اپنے مشکل کشا و حاجت روا کو مدد کیلئے پکارنا۔ اپنے حاجت روا کے آگے اپنی حاجت و مشکل کو ادب و منت و عاجزی و قلبی اضطرار کے ساتھ پیش کرنا اس سے اپنا مطلوب و مقصود طلب کرنا۔ جو عبد و رب کے قلبی و حقیقی تعلق کی علامت ہے۔ اقرار ربوبیت کی ایک عملی شکل ہے جو عین عبادت ہے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الدعاء هو العبادة ٭ دعا ہی عبادت ہے۔

ایک اور ارشاد مبارک ہے۔

الدعاء مخ العبادة ٭ دعا مغز عبادت ہے۔

یعنی بندگی یہی ہے کہ بندہ سراپا دعا بنا رہے دعا، بندگی و محتاجی کا شعور بیدار رہنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔ مخلوق کا بے فیض و بے اثر ہونا جس قدر واضح ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ سے مانگ و سوال کا تعلق گہرا ہوگا۔ شرور و آفات سے محفوظ رہنے کے لئے دعا ہی مومن کا ایک بہترین حربہ ہے۔ اس لئے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ الدعاء سلاح المؤمن - (دعا مومن کا ہتھیار ہے)

اور دعا کی تاثیر بھی یہ بیان فرمائی لا یرد القضاء الا الدعاء (قضاء کو نہیں لوٹاتی مگر دعا۔ مطلب یہ ہے کہ قضاء اگر رد ہو سکتی ہے تو دعا ہی کے بعد رد ہو سکتی ہے۔

کائنات میں جو حرکت و تغیر ہے اور حرکت و تغیر کے بعد جو آثار و خواص ظاہر ہوتے ہیں وہ سب اذن و ارادہ الٰہی سے ہوتے ہیں۔ اس لئے استعمال اسباب کے بعد مدد کے لئے حق تعالیٰ سے دعا کرنا نہ صرف شعار بندگی ہے۔ بلکہ ایک ایسا عمل ہے

جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کو باعزت بناتا ہے۔

وما من شیئٍ اکرم علی اللہ من الدعاء ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز دعا سے زیادہ عزت والی نہیں۔ (حدیث ادب المفرد ۔ بخاری و ترمذی)

اسی طرح حصولِ مغفرت کے جو الٰہی ذرائع ہیں (ایمان و عمل صالح) ان کو اختیار کرنے کے بعد دعائے مغفرت ضروری ہے کیونکہ بندے کا کوئی عمل نقص و خامی سے پاک نہیں ہوسکتا انسان کے ساتھ خطا و نسیان لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے ایمان و عمل قبول ہونے کے لئے دعا کرنا لازمی ہے۔ ایمان و عمل پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہی شیوۂ بندگی ہے۔

دعا کے قرآنی آداب یہ ہیں۔

(۱) ادعوہ خوفاً و طمعاً (الاعراف) اور اس سے دعا کرو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ ڈر یہ کہ کہیں یہ معروضہ مرضیٔ رب کے خلاف تو نہیں، کوئی گستاخی تو نہیں ہے، اور امید یہ کہ حق تعالیٰ دعا یقینی قبول کرتے ہیں امید دلائی گئی ہے۔ "ادعونی استجب لکم" مجھ سے دعا کرو میں قبول کرتا ہوں۔

(۲) ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ (الاعراف) اپنے رب سے دعا کرو عاجزی سے آہستہ۔ یعنی دعا میں تضرع و زاری ہو عاجزی و منت ہو۔ اجابتِ دعا کے متعلق ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو دعا کریں، جو مانگیں وہی مل جائے حالانکہ حق تعالیٰ حکیم و علیم ہیں اور بندہ نہیں جانتا کہ کس چیز میں اس کا حقیقی نفع و ضرر ہے۔ ضروریات و خواہشات سے مجبور ہوکر بندہ دعا کرتا ہے اللہ علیم و حکیم بندہ کے نفع و ضرر کے لحاظ سے اس کو فوری یا بدیر قبول کرتے ہیں لہٰذا اجابتِ دعا کے معنی یہ ہیں کہ اگر دعا میں دنیوی یا دینی ضرر نہ ہو تو بعینہٖ فوری یا بدیر قبول کی جائے گی۔ یا اس دعا کی وجہ سے آنے والی مصیبتیں دفع کردی جائیں گی یا دعا ذخیرۂ آخرت کردی جائے گی اس معنی میں بندۂ مومن کی ہر دعا قبول ہوتی ہے نیز مغفرت اور نفعِ آخرت کی ہر دعا قبول ہوجاتی ہے۔ غرض کاروبار میں دعا کی توفیق اور اجابتِ دعا کا صحیح مفہوم ایک خاص نعمت الٰہی ہے جو ہر مانگنے والے کو عطا کی جاتی ہے۔

اللہ جل شانہ کو حاجت روا، کارساز و مستعان تسلیم کرنے کے بعد ممکن نہیں کہ مومن، اللہ کے سوا کسی اور کے آگے اپنی حاجتیں پیش کرے، مشکلات میں، مصائب میں مدد کے لئے کسی اور کو پکارے، کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلائے عاجزی و ذلت کا اظہار کرے۔ بزرگانِ دین، اولیاء اللہ نے بھی اس سے منع کیا۔ اس کے خلاف بزرگوں کو مشکل کشا و ناصر سمجھ کر ان کو مدد کے لئے پکارنا ان کی مقدس روحوں کو تکلیف پہنچانا ہے اولیاء اللہ سے محبت نہیں، دشمنی ہے ان کا احترام نہیں، ان کی تعلیم کی تحقیر ہے جو اللہ کا ولی ہے وہ ہرگز ایسی مشرکانہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ اللہ جل شانہ اس آیۂ کریمہ

آیت قرب ۔ واذا سالک عبادی ؛ جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں

عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع ؛ تو (کہہ دیجئے) کہ میں قریب ہوں اور دعا کرنے والے

اذا دعانِ (البقرہ ع ۲۳) ؛ کی دعا سنتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔

میں اپنے قریب ہونے کا علم اسی لئے دے رہے ہیں کہ ان کے حاجت مند بندے اپنی حاجتوں میں ان ہی سے مدد مانگیں مگر افسوس کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا علم دینے کی غرض و غایت کو بھلا کر لوگ اس چکر میں پھنس گئے کہ اللہ تعالیٰ کیسے قریب ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہر در کو درِ جاناں سمجھ کر اسی پر سر رکھ دیا۔ حضرت معلّم حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ "جب تم سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو اور جب مدد مانگو تو اللہ ہی سے مدد مانگو۔"

(۸) اطاعت ۔ خوف و رجا، شکر، صبر و رضاء، محبّت، ذکر، توکل، دعا، تعلق باللہ کا لازمی قدرتی اثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ تسلیم و سپردگی ہے۔ اسی سے ایمان باللہ، تعلق باللہ میں پختگی پیدا ہوتی ہے اس لئے حکم دیا گیا۔

واطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم ؛ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو

مؤمنین ۔ (انفال)

یہی وہ اسلام ہے جو عند اللہ مقبول ہے۔ جس کے بعد ذلت نہیں عزت ہے۔ پستی نہیں، سربلندی ہے۔ حیرانی و پریشانی نہیں، سکون و اطمینان ہے۔ دین اسلام اختیار کرنے کی غرض یہی ہے کہ زندگی سراپا بندگی ہو جائے۔ اگر ماحول اس کے خلاف ہو تو قلب، ماحول

سے راضی نہ رہے اور حتی المقدور ماحول کے خلاف قولاً و فعلاً جد و جہد جاری رہے۔ باطل ماحول سے چاہے وہ گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو کراہیت اور قلبی مخالفت نہ ہو تو یہ ایمان کا ایسا نقص ہے جو خطرہ سے خالی نہیں صحتِ ایمانی کے بعد زندگی سرتا پا بندگی ہو جانے کے لئے دینِ فطرت میں چار بنیادی عمل ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔ مگر شعور بندگی قائم رکھنے کے لئے ان تمام اعمال میں نماز ہی ایک ایسا عمل ہے جو امیر و غریب، مرد و عورت غلام و آزاد، سب کے لئے یکساں طور پر ضروری ہے۔ زکوٰۃ، روزہ، حج کی طرح نماز امارت یا مخصوص مہینے و حالات پر مشروط نہیں ہے۔ کلمۂ طیبہ کے ذریعہ بندگی کا جو علم بخشا گیا ہے۔ نماز اس کی عملی مشق ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خاص طور پر اس کی تعلیم دی ہے اور اس کے خیر و برکات بیان فرمائے ہیں۔ صحابۂ کرام کی زندگیوں میں یہی عمل نمایاں نظر آتا ہے۔ یہی وہ ذکر ہے، یہی وہ عمل ہے جس سے تزکیۂ نفس بھی ہوتا ہے اور تطہیر قلب بھی۔ عبد و رب کا تعلق نماز ہی کے ذریعہ قائم رہ سکتا ہے تزکیۂ نفس کے لئے نماز کے بجائے دوسرے اشغال اور طریقوں کو اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جو اہمیت نماز کو دی ہے اس کی کوئی وقعت ہماری نظر میں نہیں۔

حضرت معلم کتاب صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم دے رہے ہیں۔

واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰۃ (احمد۔ ابن ماجہ)، یقین رکھو کہ تمہارے اعمال میں بہتر عمل نماز ہی ہے۔

الصلوٰۃ نور　(مسلم)　٭　نماز نور ہے۔

الصلوٰۃ معراج المؤمنین　٭　نماز مسلمانوں کی معراج ہے۔

اس مسنون عمل کے بجائے دوسرے غیر مسنون اعمال و اشغال کو اہمیت دینا عیاذاً باللہ رسالت کو ناقص سمجھنا ہے ان چار بنیادی عملوں کو زندگی کی تعمیر سے جو ربط و مناسبت ہے یہاں وہ مختصراً بیان کر دی جاتی ہے۔

۱۔ نماز۔ پاک و صاف ہو کر نیت صحیح کی جاتی ہے اور پختہ عزم کے ساتھ اپنے رب کے حضور میں فقیرانہ و عاجزانہ طریقہ سے حاضر ہو کر بندگی کا اقرار کیا جاتا ہے

پیمانِ عبدیت کی تجدید کی جاتی ہے۔ عرض کرتے ہیں کہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، بغیر کسی توسط و ذریعہ کے آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اپنی ہر قسم کی فلاح میں آپ ہی کی توجہ و دستگیری کے محتاج ہیں۔ استدعا کرتے ہیں کہ اُس صراطِ مستقیم پہ ہم کو چلائیے۔ جس کی منزل فردوسِ بریں ہے وہی آپ کی ابدی خوشنودی و رضا کا مقام ہے اپنے ان بندوں کے اتباع و تقلید کی توفیق دیجیے۔ جن کو آپ نے خاص انعاموں سے سرفراز فرمایا ہے دین و ایمان پہ استقامت ایمان میں صدق، قرآنی بصیرت، ایمانی جرأت و فراست، اللہ تعالیٰ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، ان کی اطاعت و فرماں برداری، اہلِ حق سے محبت، حق کے مخالفین سے بغض، نیکیوں کی رغبت، برائیوں سے نفرت، حق پہ قائم رہنے اور دینِ حق قائم کرنے کے لئے دنیا کا ہر نقصان گوارا کرنے کی ہمت، نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کو مٹانے کا عزم و حوصلہ، ناگواری میں صبر و رضا، مرضی کے مطابق باتوں میں شکر، کاروبار میں توکل، مشکل و حاجتوں میں آپ ہی سے دعا و استعانت، گناہ و لغزش میں توبہ و انابت، مخلوق سے بے خوفی و ناامیدی اور آپ ہی سے خوف و امید، ہر حرکت و سکون میں آپ ہی کے فضل و رحمت پر نظر، اس عالم میں یہی آپ کے خصوصی انعام ہیں، التجا ہے کہ یہ خصوصی انعام سے ہم کو بھی سرفراز فرمائیے۔ اور اس طرح سرفراز فرمائیے کہ پھر ہم آپ کے غضب کے مورد نہ ہوں اور نہ گمراہ، سرافگندہ ہو کر عبدیت و بندگی کا والہانہ اظہار کرتے ہیں اور اپنے معروضہ کی قبولیت کا پروانہ لے کر ہی اٹھنے کی امید رکھتے ہیں۔ بندگیٔ رب کے دو اجزاء ہیں رب ہی سے استعانت، اور رب ہی کی عبادت، نماز میں دونوں کی مشق ہے۔

نماز، بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر صلاح و خیر و فلاح کی ایک مودّبانہ درخواست ہے، رحمٰن و رحیم سے رحمت و مودت کی طلب ہے، مالک یوم الدین سے نجات و مغفرت کی استدعا ہے۔ ہدایت دینے والے سے بندگی کے عہد و پیمان پہ قائم اور سرکشی و گمراہی سے محفوظ رکھنے کا معروضہ ہے ایک فقیر بے نوا اپنے داتا کے سامنے سرنگوں ہو کر بھیک مانگتا ہے۔ اس ادراک و دانش سے جو نماز پڑھی جائے گی اس میں خشوع بھی ہوگا

اور حضور قلب بھی، ایسی ہی نماز سے فکر و عمل کی گندگی دور ہوتی ہے۔ بندگی کا شعور قائم رہتا ہے اور بندگی کے اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا استحضار ہے۔ اپنی محتاجی و بندگی اور انجام آخرت پیش نظر ہے۔ ان ہی باتوں سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور زندگی کے تمام تعلقات میں خدا و رسول کی اطاعت کا والہانہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ۔ روپے پیسے ہی سے انسان کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ روپیہ عموماً انسان کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی محبت انسان کے دل و دماغ پر غالب رہتی ہے۔ اس کا ہاتھ سے نکلنا گوارا نہیں ہوتا۔ اس کی محبت حقوق ادا کرنے سے روکتی ہے۔ لیکن کوئی بہتر اور نہایت نفع بخش مطلوب و مقصود اس کے بدلے میں اگر حاصل ہوتا ہو تو انسان اس متاع عزیز کو بھی خوش دلی سے خرچ کر دیتا ہے۔ مومن کا مقصود آخرت کی ابدی بھلائی اور آخرت کے درجے ہوتے ہیں تو اس کو زر و مال کا ایک مقررہ شرعی حصہ خرچ کرنے میں ذرا دریغ نہیں ہوتا۔ یہ حقیقتاً خرچ نہیں نفع کے ساتھ جمع ہے۔ زکوٰۃ سے حبِّ مال، نمود و شہرت، دوسروں پر احسان جتانا، جیسے مہلک جراثیم سے قلب پاک ہو جاتا ہے۔ دیگر نفل صدقات کا بھی منشا یہی ہے۔ یوتی مالہٗ یتزکّٰی۔ (اللیل)

اگرچہ زکوٰۃ و صدقات کا اسلامی، فطری نظام ہی بے روزگاری اور مزدور و سرمایہ دار کی کشمکش کا واحد قدرتی علاج ہے۔ لیکن خرچ کرنے والوں کی نیت صرف اپنے نفس کا تزکیہ ہو۔

۳۔ روزہ۔ نفس پر قابو رکھنے کی خاص مشق کا نام ہے جس میں کھانے پینے کے اوقات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ دن کے بجائے کھانے پینے کے لئے رات کا وقت شریعت کی طرف سے مقرر ہے۔ جائز خواہشات پر قابو پانے کی سالانہ مشق سے انسان ناجائز خواہشات پر قابو پانے کے قابل بن جاتا ہے۔

آخرت کے نقصان سے محفوظ رہنے کی یہی صورت ہے کہ ناجائز خواہشات

سے بندہ رُکا رہے۔ نیز مومن، مردِ مجاہد ہوتا ہے، حق کی راہ میں اسے بھوک وپیاس کی تکلیف برداشت کرنے کی عادت نہ ہو تو معرکۂ حق و باطل کا وہ مردِ میدان نہیں ہو سکتا ہے۔ دین و ایمان کی حفاظت و بقا اور دین کی اشاعت کے سلسلہ میں بسا اوقات فقر و فاقہ کی بھی نوبت آجاتی ہے اگر مومن کو اس کی عادت نہ ہو تو وہ جہاد فی سبیل اللہ سے گریز کرتا رہے گا۔ جس میں ضررِ آخرت ہے تقویٰ یہی ہے کہ انسان ضررِ آخرت سے بچتا رہے اور آخرت کا نفع حاصل کرنے میں پیش پیش رہے۔ روزہ کا یہی مقصد ہے۔ ارشاد ہے۔ لعلکم تتقون (البقرہ) تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

روزہ میں آخرت کے نفع کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ بھوک و پیاس کی حالت میں انسان میں عاجزی و مسکینی، الحاح وزاری پیدا ہوتی ہے۔ اور نادار انسانوں کے فقر و فاقے کی تکلیف کا احساس اور ان سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بندہ کے یہ اوصاف حق تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اور بندہ کو زیادہ سے زیادہ رحمتِ حق کا مستحق بناتے ہیں غالباً اسی لئے رمضان میں ہر عبادت کا اجر بہت زیادہ ہے اور جزائے آخرت بھی مخصوص ہے۔

للصائم فرحتان فرحة عند فطرة ✿ روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک افطار کے
وفرحة عند لقاء ربه ✿ وقت دوسرے رب سے ملاقات کے وقت۔

روزہ بڑی پرلطف عبادت ہے، کھانا بھی عبادت، اور نہ کھانا بھی عبادت دن کے اوقات میں نہ کھانا عبادت، غروب کے بعد کھانا پینا عبادت۔

۴ - حج۔ یہ عبادت اہلِ ثروت سے مخصوص ہے، جن کی زندگی فارغ البالی اور راحت و آرام میں گزرتی ہے وہ محنت و مشقت کے خوگر نہیں ہوتے۔ مؤمن جو مردِ مجاہد بھی ہوتا ہے آرام طلبی کا مرض اس کے لئے ضرر رساں ہے۔ حج اس مرض کا علاج ہے۔ گھر بار، اہل و عیال، دوست و احباب کے تمام تعلقات سے منہ موڑ کر ایک مخصوص مقام پر سفر کی تمام کلفتوں کو برداشت کر کے ایک خاص مقام پر حاضری اور جن عبادتوں کی عادت ہو گئی ہے ان سے زائد عبادتوں مثلاً طواف وسعی کی

مصروفیت، خدا و رسول کی محبّت کے اظہار کا والہانہ طریقہ ہے۔ عمر بھر میں ایک بار اس کی فرضیّت، خدا اور رسول کی محبّت کے جانچنے کی ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے کھرا کھوٹا پہچانا جاتا ہے۔ مالدار جب تک اس معیار پر پورے نہ اتریں ان کا ایمان مقبول نہیں ہو سکتا۔

دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والے ایک ہی خدا کے پرستار، ایک ہی دامنِ رحمت سے وابستہ، ایک ہی شمع کے پروانے۔ ایک ہی در کے بھکاری، ایک ہی جمالِ حق کے مشتاق۔ کشاں کشاں ایک ہی مقام پر، ایک ہی لباس، ایک ہی وضع قطع سے حاضر ہو کر ایک رشتۂ اخوت و محبّت میں جڑے ہوئے دریا کے آبدار ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا اچھی عبادت ہے!

اس فریضہ کی ادائی میں گھر سے نکل کر گھر واپس ہونے تک قدم قدم پہ کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ مجنون ہوئے بغیر اس پرخار وادی سے انسان نہیں گزر سکتا شوقِ کعبہ کے بغیر راستے کے کانٹوں کی خلش بطیب خاطر گوارا نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے حضرت معلمِ حکمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی اور مجاہد کا ذکر ایک ساتھ فرمایا۔ حدیث ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف (کتاب مناسک)

(۹) توبہ و استغفار ۔ جب انسان سے کوئی قصور ہو جاتا ہے تو وہ نادم ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے، آئندہ غلطی نہ کرنے کا عزم کرتا ہے اس غلطی کی تلافی کی کوشش کرتا ہے، اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے اس فطری جذبہ کا نام قرآن میں توبہ و استغفار ہے۔ کوئی شخص سوچ سمجھ کر غلطی نہیں کرتا، غلطی عمداً نہیں ہوتی، سہو و نادانی سے ہوتی ہے۔ کسی خوف یا فوری رغبت کے جذبہ سے ہو جاتی ہے ایسی غلطی کا نام معصیت و گناہ ہے۔ اگر کوئی برا کام دنیا کا فائدہ کمانے کے لئے آخرت کے نقصان سے بے پروا ہو کر کیا جائے تو یہ اکتسابِ معصیت ہے جو خدا تعالیٰ سے بے خوف ہونے کی علامت ہے، سرکشی ہے، اور سنگینی میں کفر و شرک کے قریب ہے نفاق ہے۔ سوچ سمجھ کر شوق و رغبت سے کسی معصیّت کو کرتے رہنا اس کو چھوڑنے

کا عزم نہ کرنا ایمان کے بالکل خلاف ہے۔ سہواً جہالت سے کبھی کبھی گناہ ہوجائے تو یہ ایمان اور اقرارِ عبدیت کے منافی نہیں ہے۔ البتہ اکتسابِ معصیت اقرار عبدیت کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے جو گناہ ہوجانے یا گناہ پر مطلع ہوجانے کے بعد فوراً ہی توبہ کرلیتے ہیں۔

انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون	توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو
السوء بجھالۃ ثم یتوبون من	ان ہی لوگوں کی توبہ ہے جو جہالت سے کوئی گناہ
قریب فاولئک یتوب اللہ علیھم	کر بیٹھتے ہیں اور جلدی توبہ کرلیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں
(النساء ع ۳)	پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں (یعنی ان کو اصلاح کی توفیق
	عطا فرماتے ہیں)

اگرچہ توبہ کی مہلت موت تک ہے۔ مگر قبولیتِ توبہ کا وعدہ فوری توبہ سے متعلق ہے۔

توبہ کے چار اجزاء ہیں (۱) قصور کا اعتراف (۲) ندامت و پچھتاوا۔ (۳) گناہ سے علیحدہ ہو کر اس کے آئندہ نہ کرنے کا عزم (۴) عفو و مغفرت کی دعا۔ ہرچند اطاعت و تسلیم، بندگی کا شیوہ ہے مگر یہ بھی بندگی کا شیوہ ہے کہ قصور ہوتے ہی توبہ کی جائے۔

توبہ دراصل اپنی عاجزی اور غلطی کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے عاجزی اور غلطی کے اعتراف کو بہت پسند کرتا ہے بندہ سے گناہ ہوتے ہی اسکے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے بندہ نادم ہوکر اپنے پر ملامت کرتا ہے۔ حق تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرے گناہ معاف کرنے والا کوئی نہیں ہے بندہ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ بندہ پر رحم کرتے ہیں اور گناہ سے جو ظلمت پیدا ہوتی ہے وہ دور کردیتے ہیں۔ ان اللہ یحب التوابین (اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں) اس ارشاد کا یہی مطلب ہے۔ اگر گناہ کے بعد دل میں خوفِ الٰہی نہ پیدا ہو تو یہ گناہ نہیں، سرکشی ہے۔

محض زبان سے توبہ، توبہ، استغفر اللہ کہہ دینا توبہ نہیں جب تک دل سے قصور

کا اعتراف نہ ہو دل سے ندامت نہ ہو ۔ زندگی کے تمام کاروبار کا تعلق دل سے ہے بغیر دلی توجہ کے کوئی کام ٹھیک نہیں ہوتا دینی کاموں کا بھی یہی حال ہے دلی لگاؤ کے بغیر ذکر وعبادت میں کوئی ذوق نہیں ۔ توبہ کے بعد گناہ سے کنارہ کشی یعنی عمل کی اصلاح ضروری ہے ورنہ وہ توبہ نہیں ۔

انہ من عمل منکم سوءً بجھالۃ ثم ✤ جو شخص تم میں سے بُرا کام جہالت سے کر بیٹھے پھر وہ
تاب من بعدہٖ واصلح فانہ غفور ✤ اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح رکھے تو اللہ مغفرت
رحیم ۔ (الانعام ۶۶) ✤ کرنے والے اور بڑی رحمت والے ہیں ۔

توبہ کے بعد گناہ نہ چھوڑنا نفس کا فریب ہے توبہ کے بعد پھر کسی وقت گناہ ہو جائے تو یہ توبہ کے خلاف نہیں پھر توبہ کر لی جائے ۔

اللہ تعالیٰ کے غفور و رحیم ہونے کا مطلب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کے بعد غیر اسلامی زندگی گزار کر بھی وہ رحمت و مغفرت الہٰی کے مستحق ہو سکتے ہیں ۔ ایسا خیال صحیح نہیں ۔ جس طرح رزق ملنے کا اللہ نے ایک نظام مقرر فرما دیا ہے ۔ جس پر چلے بغیر انسان کو رزق نہیں ملتا ۔ مثلاً زمین کی ہمواری ، وقت پر تخم ریزی ، آب پاشی وغیرہ کے بغیر کاشتکار رزق (غلہ) نہیں حاصل کر سکتا اسی طرح مغفرت حاصل کرنے کا بھی اللہ تعالیٰ نے ایک نظام بنا دیا ہے ۔ جس پر عمل پیرا ہوئے بغیر انسان حق تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کا مستحق نہیں ہو سکتا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون اس آیت میں بیان فرمایا ہے ۔

قانون مغفرت ۔ انی لغفار لمن تاب و اٰمن وعمل صالحاً ثم اھتدیٰ (طٰہٰ ع ۴) بیشک میں بڑا بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور شائستہ عمل کرتا ہے پھر اسی سیدھی راہ پر قائم رہتا ہے ۔

اس آیت سے مغفرت کے لئے چار باتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں ۔ (۱) شرک ، کفر ، نفاق سے توبہ اور آیندہ ان میں مبتلا نہ ہونے کا عزم ۔ (۲) ایمان باللہ حسب صراحت صدر (۳) عمل صالح (۴) ایمان و عمل صالح پر استقامت ، اس نظام مغفرت کو پوری طرح

اختیار کئے بغیر کوئی شخص رحمت و مغفرت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ مغفرت کے اس نظام پر عمل کرنے کے بعد اگر کوئی لغزش ہو جائے اور انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے اور اللہ تعالے سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ نے یقین دلایا ہے کہ وہ اس کی طرف رجوع کرنے والے نیک بندوں کے لئے یقیناً غفور ہیں۔

ان تکونوا صالحین فانہٗ کان للاوّابین غفوراً ﴿ تمہارے اعمال اگر شائستہ ہیں تو وہ (گناہ سے) توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کرتا ہے۔ ﴾ (بنی اسرائیل ع ۳)

حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے اس نظام کو پسِ پشت ڈال کر، دنیا ہی کو مطلوب و مقصود بناکر، اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کا غلط مطلب سمجھ کر جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں وہ سخت شیطانی فریب میں گرفتار ہیں۔

صالح ہونے کے بعد بھی بندہ، خالق و مخلوق کا پورا پورا حق ادا نہیں کر سکتا حق تعالے کی مرضی کے خلاف دانستہ یا نادانستہ غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے بیشتر اوقات بندہ کو اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیئے۔ کتاب و سنت میں بندہ کے جو اشغال مقرر ہیں ان میں استغفار بھی ایک شغلِ بندگی ہے۔ استغفار کو جو شخص حضورِ قلب سے اپنے پر لازم کر لیتا ہے دین و دنیا کی برکتیں اس پر نازل فرمائی جاتی ہیں۔

من لزم استغفار اجعل اللہ لہ من کل ضیق مخرجاً و من کل ھم فرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب (ابوداؤد، احمد، ابن ماجہ) ﴿ جو ہمیشہ استغفار کیا کریگا اللہ تعالیٰ اس کو ہر تنگی سے نکلنے اور ہر فکر سے نجات عطا فرمادیگا اور جہاں اس کا خیال بھی نہ ہوگا وہاں سے رزق دے گا۔ ﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خوش خبری دی ہے جس کے نامۂ اعمال میں کثرت سے استغفار ہو۔ طوبیٰ لمن وجد فی صحیفتہ استغفاراً کثیرا۔

خالقِ فطرت کی یہی وہ بنیادی تعلیم ہے جس کو اختیار کر کے طالبِ حق صالح بنتا ہے اس کی زندگی شائستہ ہو جاتی ہے اس کے تخیل میں بلندی و خوبی اور کردار میں پاکیزگی پیدا کر دی جاتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ انسان کا فطری جذبۂ حکمرانی "کتاب و سنت کا تابع ہو جائے ایسی ہی زندگی کا نام "حیاتِ طیبہ" ہے۔

من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو ❖ مومن مرد و عورت جو بھی نیک کام کرے گا ہم
مؤمن فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ (النحل) اس کی زندگی پاکیزہ بنا دیں گے۔

مرنے کے بعد خیر و ابقیٰ ، مرضی کے مطابق زندگی اسی ایمان و عمل صالح (حیاتِ طیبہ) کا یقینی بدل ہے۔

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت لھم ❖ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام
جنٰت النعیم خالدین فیھا وعد ❖ کئے ان کے لئے نعمتوں کے باغ ہیں جن میں وہ ہمیشہ
اللہ حقا (لقمان) ❖ رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

آخرت کے انجام کے لحاظ سے صالحین کا دوسرا نام اصحٰب الیمین ہے جس میں صالحین و شہدار دونوں داخل ہیں۔ مدت سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر صالحین کا فریضہ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہ بھی صالحین کی صفت ہے۔

ثم کان من الذین اٰمنوا وتواصوا ❖ پھر ان میں سے ہوگیا جو ایمان لائے اور صبر و مرحمت
بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ اولٰئک ❖ کے ساتھ نصیحت کرتے رہے یہی لوگ اصحاب الیمین
اصحٰب المیمنۃ (البلد پ۳۰) ❖ ہیں۔

ہر مؤمن کا فرض ہے کہ اپنی ذات کے علاوہ ان لوگوں کو بھی جو اسکے زیر اثر ہوں ان اعمال سے دور رکھنے کی کوشش کرے جن سے آخرت کی ابدی زندگی ناری ہو جاتی ہے۔

یا یھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم و ❖ مومنو! اپنے کو اور اپنے متعلقین کو دوزخ کی آگ سے
اھلیکم نارا۔ (التحریم ع۱) ❖ بچاؤ۔

انسان کی فطرت اور خالقِ فطرت کی ہدایتوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہر طالبِ حق کی عقل کا یہی فیصلہ ہوگا کہ دینِ اسلام جسمیں انسان کو انسانیت سکھائی گئی ہے - وہی دینِ فطرت ہے دینِ حق ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے گمراہی ہے۔

فماذا بعد الحق الا الضلٰل (یونس)

فسق و بدعت - ایمان و عمل صالح کے بعد بے راہ روی کی دو صورتیں اور ہیں (۱) فسق (۲) بدعت۔

(۱) **فسق**۔ بنیادی احکام (۱) ایمان باللہ (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) روزہ (۵) حج وغیرہ کی پابندی کرتے ہوئے کوئی گناہ کا کام کرتے رہنا، مثلاً شراب پینا، سود کھانا، جھوٹ بولتے رہنا۔ غیبت کرتے رہنا، ڈاڑھی منڈانا وغیرہ فسق ہے۔ فسق کی یہ تعریف قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔ سورہ بقرہ کے ۳۹ ویں رکوع میں کاتب وگواہ کو ضرر پہنچانے سے منع کیا گیا ہے اس کے بعد یہ تنبیہ ہے وان تفعلوا فانہ فسوق بکم (اگر تم ایسا کروگے تو یہ تمہارے لئے فسق ہے) اور سورہ الحجرات میں مسخرہ پن، برے نام سے پکارنے، لعن و طعن سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس کو فسق قرار دیا ہے۔ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان (ایمان کے بعد فسق کا نام بھی برا ہے) ان دونوں مقامات پر مخاطب اہل ایمان ہیں جو اسلام کے بنیادی احکام کی پابندی کرتے تھے اس لحاظ سے اسلام کے بنیادی احکام کی پابندی کرتے ہوئے کسی برے کام میں مبتلا رہنا فسق ہے کیونکہ سرے سے بنیادی احکام ہی کی پابندی نہ کرنا منافیٔ ایمان ہے فاسق سے اللہ تعالیٰ کا وعدۂ مغفرت نہیں۔ آثار سے پایا جاتا ہے کہ عذابِ نار کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس کی نجات کا امکان ہے۔ غرض فاسق انجام کے لحاظ سے خطرہ میں رہتا ہے۔ اگر مرنے سے پہلے توبہ و اصلاح کرے گا تو صالحین میں شمار ہو جائے گا۔

صالح و فاسق کا فرق۔ گناہ صالح سے بھی سرزد ہو جاتے ہیں مگر صالح کے پاس گناہ کرنے کا عزم نہیں رہتا بلکہ گناہ نہ کرنے کا عزم رہتا ہے اور گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتا ہے، اس کے برخلاف فاسق کے پاس گناہ کرنے کا عزم رہتا ہے وہ گناہ کرتا رہتا ہے نہ توبہ کرتا ہے نہ نادم ہوتا ہے صالح و فاسق میں یہی فرق ہے۔

(۲) **بدعت**۔ بدعت کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ ثواب و خیر و برکت و تزکیۂ نفس کے لئے ایسے کام تجویز کرنا اور ایسے عقیدے پیدا کر لینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل اور صحابہؓ کی روش سے ثابت ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے تمام امور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت نہ ہوں بدعت ہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

فانہ من یعش منکم بعدی فسیری	واقعہ یہ ہے کہ جو میرے بعد زندہ رہیگا۔ وہ مختلف
اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ	باتیں پائے گا (تم ان اختلافی باتوں پر نہ جاؤ)
الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا	بلکہ تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ نیکوکار
علیہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم	خلفاء کی سنت (طریقوں) پر جمے رہو اس پرمضبوطی
ومحدثات الامور فان کل محدثۃ	سے قائم رہو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو
بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔	تم نئی باتوں سے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت
(احمد۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ ترمذی)	گمراہی ہے۔

اور گمراہی کا انجام آخرت نار ہے۔ کل ضلالۃ فی النار۔

بدعات کی تفصیل۔ صدیوں سے مسلمانوں میں دانستہ یا نادانستہ بدعات کا رواج ہوگیا ہے۔ مثلاً محرم کے مہینہ کو غم و ماتم کا مہینہ سمجھنا، اہل بیت کا ماتم کرنا، محرم کے علم وغیرہ اور محرم کے دیگر رسوم، ماہ صفر کے منحوس ہونے کا عقیدہ، اسی ماہ کی تیرہ تاریخ کو صدقہ کا لزوم، آخری چہار شنبہ منانا، ماہ ربیع الاوّل، ربیع الآخر کی بارھویں و گیارھویں کے نام سے مجلسیں و فاتحہ خوانی، میلاد مبارک و آثار مبارک اور رجب میں معراج کے جلسے، رجب کے کونڈے، شعبان میں روحوں کے آنے کا عقیدہ، اس مہینہ میں ان کے لئے ایصال ثواب کی خصوصیت، شب برات کی اجتماعی شب بیداری، رمضان شریف میں شبینے[1]، ماہ ذی الحجہ کی ۹ر تاریخ کو عرفہ کی تقریب، موت کی تمام رسمیں، مثلاً پھول، پھول کی چادر، میّت کے سینہ پر کلمہ طیبہ لکھنا، قبر میں توشہ و بیعت کے شجرہ رکھنا، فاتحہ سوم، دہم، چہلم و برسی، شادی کی تمام وہ رسمیں جن کو باعثِ برکت سمجھا جاتا ہو، حیرانی و پریشانی اور مصائب میں بزرگان دین کو پکارنا، ان کی نذر و منت، ان کی مزاروں پر چادر چڑھانا، صندل مالی، سجدہ وطواف، سماع و قوالی کو ایمان کے بڑھنے اور بڑھانے کا ذریعہ سمجھنا۔ ذکر الٰہی[1] کے مروجہ طریقے اشغال و مراقبات، وحدۃ[2] الوجود

---

[1] اگر نیک لوگوں نے اس کو بدعت نہیں سمجھا تو یہ اجتہادی غلطی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس قابل معافی ہے۔

[2] حضرت مجدد الف ثانی و شاہ ولی اللہ، مولانا اشرف علی علیہم الرحمۃ کی بھی یہی رائے ہے کہ وحدۃ الوجود کی تعلیم قرآنی و اسلامی تعلیم نہیں۔

فناء و بقاء کی تعلیم کو رضا و قرب کا ذریعہ سمجھنا' یافت و شہود اور انا و احد، وجودِ واحد کی مشق وغیرہ وغیرہ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ایضاح الحق الصریح فی احکام المیّت والضریح) رسالہ الحق کی جلد ۳ میں اس کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ فسق و بدعت میں مبتلا رہنے سے اصلاحِ حال کی توفیق نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ اور صالحیّت جو ہدایت کا ابتدائی مقام ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

خصوصاً بدعت' فسق سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ بدعتی اپنے غیر اسلامی اور غیر مسنون افکار و اعمال و اشغال کو اسلامی اور مسنون سمجھ کر اس زعم میں مبتلا رہتا ہے کہ بڑے ثواب کے کام کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

صالحیّت جو اخلاص کا بنیادی مقام ہے اس سے مافوق شہادت کا درجہ ہے جو بندۂ مخلص ہوتا ہے وہی بندۂ جاں نثار (شہید) بنایا جاتا ہے۔

شہادت شہادت کے معنی گواہی دینا ہیں۔ مؤمن جن حقیقتوں پر ایمان رکھتا ہے یعنی اللہ ہی رب ہیں، ہمہ خیر ہیں' آخرت کی زندگی ہی اصلی زندگی ہے، دنیا امتحان گاہ ہے' یوم حساب حق ہے، النار حق ہے' الجنۃ حق ہے' دنیا کی ہر تکلیف میں آخرت کا خیر ہی خیر ہے۔ یہ تمام حقیقتیں غور و فکر اور اسلام کے بنیادی احکام پر عمل کرتے رہنے سے اتنی واضح ہوتی جاتی ہیں کہ کالمشاہدہ ہو جاتی ہیں۔ اور بندۂ مومن میں راہِ حق میں جان و مال قربان کرنے کا ایک والہانہ جذبہ اُبھر آتا ہے اور وہ دنیا کی ہر تکلیف بہ طیبِ خاطر برداشت کرتے ہوئے حق پر قائم رہتا ہے اور دوسروں کو اس کی طرف بلاتا رہتا ہے۔ یہی شہادت کا مقام ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ آسمان و زمین کی تمام مخلوق باذنِ الٰہی انسان کی ضرورتیں پوری کرنے میں مصروف ہے' اشیاء میں حرکت و تغیّر' ان کے آثار و خواص' انسان میں قوت و فعل و اختیار' اشیاء کے مضر اثرات سے حفاظت' انسان کی بقاءِ حیات' اس کے نشو و نما کا سامان' دینِ حق نازل کرنا اور انبیاء علیہم السّلام کی بعثت' ایمان و عمل کی توفیق یہ سب حق تعالیٰ ہی کی ربوبیّت کا فیضان ہے۔

مومن پر غور و فکر سے جب اپنی محتاجی (مربوبیت) اور حق تعالیٰ کی حاجت روائی (ربوبیت) زیادہ واضح ہوجاتی ہے تو مومن اپنی ذات و کائنات ہر چیز کی حرکت و آثار و خواص میں حق تعالیٰ کی ربوبیت کا فیضان مشاہدہ کرتا ہے۔ اپنی قوت و فعل و اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ کی عطا و فضل و رحمت سمجھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے گرویدگی و شیفتگی اور بڑھ جاتی ہے۔ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے۔ ہر درد و تکلیف و ہر مصیبت و پریشانی اور ہر ضرورت و حاجت اپنے رب ہی سے عرض کرتا رہتا ہے۔ اور موقعہ و محل پر مخلوق نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی دعائیں کرتا رہتا ہے۔ اس کو یقین ہوجاتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے لئے ہمہ خیر ہیں اللہ تعالیٰ کا بیدہ الخیر ہونا مشاہدہ کے طور پر ہوجاتا ہے جان و مال کے ہر ضرر میں ہر تکلیف و مصیبت میں وہ خیر ہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جس کے بعد مصائب برداشت کرنا (صبر) آسان ہوجاتا ہے۔ حق تعالیٰ بندہ کے لئے جو خیر چاہتے ہیں وہ ایک تو یہ ہے کہ بندے کے نفس کا تزکیہ اور قلب کی تطہیر ہوجائے۔

وليمحص ما في قلوبكم (آل عمران ع) ؛ تاکہ تمہارے دلوں کی صفائی ہو جائے۔

دوسرا خیر "خیر آخرت ہے" واللہ یرید الآخرۃ (الانفال ع) (حق تعالیٰ آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں) جو لازوال و باقی رہنے والا ہے اس لحاظ سے ابدی راحت کی وہ پرمسرت زندگی جس کا نام "الجنۃ" ہے اور تکلیف و اذیت کی ابدی زندگی جس کا نام "الجحیم" ہے اس کا یقین بھی ایسا پختہ ہوجاتا ہے جیسے اپنے مشاہدہ کی ہوئی چیزوں کا یقین، جس کے بعد وہ دنیا کے ہر نقصان کی پروا کئے بغیر اپنی طرز روش و گفتار سے اس حقیقت کی گواہی دیتا رہتا ہے کہ آخرت کی زندگی ہی اصلی زندگی ہے۔ ایمان کے اس درجہ کو درجۂ شہادت اور اس درجہ کے انسان کو شہید کہتے ہیں قرآن مجید میں دوزخ و جنت کے ذکر کے بعد ہی ارشاد ہے

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب ؛ اس میں اس کے لئے نصیحت ہے جو دلی توجہ سے اور

او القی السمع وھو شھید (ق ع ۲) ؛ کان لگا کر سنتا ہے اور وہ شہید ہے۔

یعنی عالم آخرت کے حقائق کو اس طرح مانتا ہے گویا ان کو دیکھ رہا ہے جب حیات آخرت کا یقین مشاہدہ کی طرح ہوجاتا ہے تو اس ابدی پرمسرت زندگی اور دید و لقاء رب کی

ایک تڑپ اور ایک شوق مومن کے دل میں پیدا ہوجاتا ہے اور اعلائے کلمۃ الحق اور دینِ حق کے قیام و اشاعت کے لئے تن من دھن کی بازی لگانیکا جذبہ اُبھرآتا ہے۔ یہیں سے مؤمن کی مجاہدانہ زندگی شروع ہوتی ہے اس جہاد، اعلائے کلمۃ الحق کی دو صورتیں ہیں

ان المؤمن یجاهد بسیفه ولسانه ۞ مومن جہاد کرتا ہے تلوار سے اور زبان سے (مشکوٰۃ شریف باب البیان)

قرآن میں ان ہی دو جہادوں کی تفصیل ہے۔

جہاد بالسیف کا عنوان قرآن میں قتال فی سبیل اللہ ہے اور جہاد باللسان کا نام جان و مال قربان کرتے ہوئے اشاعت حق (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) ہے دونوں کا مقصد علماً و عملاً اعلائے کلمۃ الحق ہے قرآن شریف میں اسی لسانی جہاد کو جہاد کبیر فرمایا گیا ہے۔ وجاهدهم به جهاداً كبيراً (الفرقان)

مرتبۂ صالحیت ہی میں مجاہدۂ نفس سے نفس کی خواہشیں شریعت کے تابع ہوجاتی اس لئے جہاد نفس کو جہاد اکبر نہیں کہا جا سکتا۔

اپنے قول و عمل سے حق کی اشاعت، تقریر و تحریر سے باطل کی تردید کو جہاد اکبر قرار دینا حسبِ مفہوم آیتِ بالا صحیح ہے کیونکہ حق کی تبلیغ و اشاعت میں بھی نفس کا بڑا مجاہدہ ہے۔ مخالفین کی دلآزار باتیں سننی اور مختلف قسم کی اذیتیں سہنی پڑتی ہیں اور نفس کو پوری طرح قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلہ میں صبر کی تلقین و تاکید ہے۔ وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ اور سورۂ بلد میں "بالمرحمۃ" کی بھی ہدایت ہے۔

معلم حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من قتل فی سبیل اللہ فهو شهید ومن مات فی سبیل اللہ فهو شهید۔ انسان کا قتل تو آلات جنگ ہی کے جہاد میں ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ فی سبیل اللہ مرنے کی صورت یہی ہے کہ دین کی تبلیغ و اشاعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مال و جان کے نقصان کو خوش دلی و فراخ حوصلگی سے، اہل باطل کی اذیت رسانی اور سختیوں کو ہمت و استقلال کے ساتھ گوارا کرتے ہوئے جان، جان آفرین کے سپرد کی جائے۔

یہ مقامِ عزیمت ہے، ان ہی سلیم القلب، قرآنی بصیرت رکھنے والوں کو حاصل ہوتا ہے جو ہر زحمت میں رحمت ہی کا مشاہدہ کرتے ہیں حق کی راہ میں ہر ضرر و اذیت برداشت کرتے ہوئے باطل کی گندگیوں سے اپنے آپ کو پوری قوت سے بچائے رکھتے ہیں یہی عزیمت ہے۔ وان تصبروا وتتقوا فان ذٰلک من عزم الامور (آل عمران ع ۱۹)

امر بالمعروف، نہی عن المنکر انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جس سے انسان قرابت یا دوستی رکھتا ہے اُسے ضرر سے بچنے اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے مشورے و ہدایتیں دیتا رہتا ہے آخرت کی زندگی، ابدی نفع و ضرر اور وہاں کے درجے جب مشاہدے جیسے ہو جاتے ہیں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر بندۂ حق کا ایک فطری عمل ہوجاتا ہے اس راہ میں اسے جو دکھ اور اذیت پہنچتی رہتی ہے وہ اس کے ایمان کی لذت و حلاوت میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ عزیمت دراصل حق تعالیٰ سے گرویدگی و شیفتگی پیدا ہوجانے کی ایک یقینی علامت ہے باطل کے غلبہ کے زمانہ میں علم و عمل دونوں سے اسلام کی حقیقی نمایندگی، حق کو حق، اور باطل کو باطل ثابت کرنے کے لئے جان و مال کے ضرر کا خیال نہ کرنا بلا لحاظ لومۃِ لائم عزت و آبرو کی قربانی، اہلِ عزیمت ہی کا کام ہے یہی حق کے حق ہونے اور باطل کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

صدیاں گزر گئیں کہ شہادت کی یہ قرآنی و نبوی تعلیم پسِ پشت ڈال دی گئی ہے۔ عوام ہوں کہ خواص، امیر ہوں کہ غریب ان کے قلوب مجاہدانہ جذبات، سرفروشانہ عزائم سے خالی ہوگئے ہیں جس کو دیکھئے رخصت ہی کے دامن میں پناہ گیر نظر آتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

شہادت سے مافوق قرب و صدیقیت کا درجہ ہے جو متبع رسالت کا انتہائی بلند مقام ہے۔

صدیقیت یا قرب (احسان)

ہدایت کے مذکورہ دو مقام یا بندگیِ رب کے دو درجے صالحیت و شہادت سے بلند، کمالِ بندگی کا جو مقام ہے اس کو صدیقیت یا قرب کہتے ہیں جہاں دین و ایمان کی تکمیل ہے۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کو صدیق و مقرب کہا گیا ہے۔ سورۂ مریم میں ہے۔

واذکر فی الکتاب ادریس انہ کان ❊ کتاب میں ادریس کا واقعہ پڑھو وہ بڑے سچے نبی تھے
صدیقاً نبیاً ○ (۵۶) ❊

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "انہ کان صدیقاً نبیاً" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "قربناہ نجیا" (ہم نے ان کو مقرب بنایا) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "من المقربین" (وہ مقربین سے تھے) فرمایا۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی متبع رسالت، خدا و رسول ہی کے ارشادوں سے اپنے دل و دماغ و کردار کو منور رکھنے والے کو بھی بطورِ وراثت، قرب و صدیقیت کا درجہ عطا فرماتے ہیں۔

والذین امنوا باللہ ورسلہ اولئک ❊ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے
ھم الصدیقون (الحدید ع ۲) ❊ ہیں وہی صدیق ہیں۔

اس ارشاد سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مقامِ صدیقیت کا علم و عمل وہی ہو جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتاً ثابت ہے اور انسان کے کشف الہام کو اس میں دخل نہ ہو۔

اللہ و رسول پر ایمان لانے کا ذریعہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اس کلمہ کے ذریعہ فلاحِ دارین پانے کے لئے انسان کو اس کی فطری حیثیت، محتاجی و بندگیٔ رب سے واقف کراکے بندگیٔ رب کا شرف حاصل کرنے کی ہدایت دی گئی اور تمام انبیاء علیہم السلام کو بھی یہی تعلیم دی گئی۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول ❊ ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس
الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا ❊ ہم نے یہ وحی نہیں بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود مستعان نہیں ہے
فاعبدون ○ (الانبیاء ع ۲) ❊ پس میری ہی عبادت کرو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ہدایت فرمائی کہ اللہ ہی کی عبادت کیجئے۔ بندگی ہی کے شعور و ادراک میں رہیے اور اسی پر قائم رہیئے۔

فاعبدہ واصطبر لعبادتہ (مریم ع ۴) ❊ اس کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت پر قائم رہو۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی یہی خصوصیت بیان فرمائی "وکانوا لنا عٰبدین" اور حضرت نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زبان حقیقت ترجمان سے بھی یہی کہلوایا "نحن لہٗ عٰبدون" (ہم اسی کے سراپا بندے بنے ہوئے ہیں) لفظ عابدون بہت پرمعنی لفظ ہے جس میں بندگی کے اس انتہائی مقام کی طرف اشارہ ہے جہاں بندگی میں حسن ہے، خوبی ہے، علمِ حق کے جن رموز و نکات سے وہ حضرات مطلع کئے گئے تھے، اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ وہ اپنے فقر و احتیاج اور اپنے نفس کے شر سے پوری طرح واقف تھے، جس کی وجہ سے ان کے دل خشیتِ الٰہی سے معمور رہتے تھے (جس کا اثر ان کی چال ڈھال بات چیت وغیرہ سے نمایاں رہتا تھا) اور وہ بہرحال مرضیِ رب کی اتباع کرتے اور بڑی رغبت و پورے خوف کے ساتھ سراپا دعا رہتے تھے۔

انھم کانوا یسارعون فی الخیرات و	؎	یہ سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے امید و بیم کے
یدعوننا رغباً و رھباً وکانوا لنا	؎	ساتھ ہماری ہی طرف متوجہ رہتے تھے اور ہمارے سامنے
خٰشعین ۝ (الانبیاء ۹۴)	؎	مؤدب رہتے تھے۔

عبادت اور الخیرات کے الفاظ قابلِ غور ہیں نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے تذلل و عاجزی، تضرع و زاری، اظہار حاجت، اللہ تعالیٰ ہی سے خوف و ہیبت، دعا و انابت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت و انقیاد، تسلیم و رضا، اللہ تعالیٰ سے گرویدگی و شیفتگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرفروشی و جاں بازی، جہاد فی سبیل اللہ کی جو صورت ہو علماً و عملاً، باللسان یا بالسیف، مخلوق کے حقوق کی کما حقہٗ ادائی یہ سب امور عبادت اور الخیرات میں داخل ہیں۔ عبادت اور الخیرات میں حسن و خوبی پیدا ہو جانا کمالِ ایمان اور سراپا دعا و سراپا عبادت ہو جانا کمالِ بندگی ہے۔ مختصر یہ کہ ان حضرات کی یہ حالت تھی کہ آیات اللہ کا مشاہدہ ان حضرات کو آستانۂ رب پر تضرع و زاری کے ساتھ سجدہ ریز رکھتا تھا۔

اذا تتلٰی علیھم اٰیٰت الرحمٰن خرّوا	؎	جب اُن کے سامنے اللہ رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں
سجداً و بکیا (سورۂ مریم آیت سجدہ)	؎	تو وہ سجدہ کرتے ہوئے روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں آیات الرحمٰن کا لفظ تبلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم حسنٰی "الرحمٰن" کا اثر و فیضان جس سے انسان اور عالم کا ذرہ ذرہ فیضیاب ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام جن کو

صدیق و مقرب فرمایا گیا ہے۔ ان کے علوم کا بنیادی خصوصی شعبہ ہے اسی لئے یہ تاکید فرمائی کہ "الرحمن" کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ الرحمٰن فسئل بہ خبیرا (الفرقان) یعنی رحمانیت کی تحقیق کرو یہ معلوم کرو کہ رحمانیت کیا ہے۔ اسی سے قرب و صدیقیت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔

رحمانیت کی مختصر تشریح:- انسان کی پیدائش، انسان کے لئے کائنات کی پیدائش۔ انسان کی بقاء حیات و نشوو نما کے لئے گوناگون اشیاء کی پیدائش۔ ان اشیاء میں حرکت، ان کے آثار وخواص، ان میں باہم توافق۔ انسان میں سمع و بصر عقل وتمیز کی قوت۔ تصرف و اختیار، سعی و محنت کا ملکہ، اشیاء اور ان کے آثار و خواص کا علم، ان کے استعمال کا طریقہ بتلانا اور غلط و صحیح استعمال کے مفید و مضر نتائج سے باخبر کرنا انسان کی فلاح کے لئے دین حق نازل کرنا انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنا، دین و نعمت کو کامل و تمام کرنا ایک آخری نبی کو بھیجنا قیامت تک کتاب وسنت کی تعلیم کی حفاظت کا انتظام کرنا۔ انسان کو سعی و محنت کا عارضی و ابدی بدل عطا کرنا، اہل ایمان کو صلاح و ہدایت کی توفیق اور نافرمانوں کو گمراہی میں مبتلا رکھنا، زمین میں خشکی و جاذبیت۔ پانی میں برودت و روانی۔ آگ میں گرمی و احتراقیت۔ ہوا میں فرحت و سرعت۔ پرندوں میں پرواز وغیرہ وغیرہ اور پرسشِ اعمال کے لئے یوم حساب، یوم قیامت مقرر کرنا۔ جزائے اعمال کے لئے عالم جزا۔ "الجنۃ والجحیم" پیدا کرنا۔ یہ سب رحمانیت کا فیض و اثر ہے۔ جو باذن الٰہی ہر آن جاری و ساری ہے۔ تمام اسمائے الٰہی جن کا تعلق انسان کی پرورش و حفاظت وعمل و بدلِ عمل سے ہے وہ سب "الرحمن" ہی کے شعبے ہیں۔ اور عفو و مغفرت اور رحمت خصوصی کا تعلق اسم "الرحیم" سے ہے رحمانیت و رحیمیت ہی سے تمام عالمین کی پرورش ہو رہی ہے اسی لئے فرمایا کہ جو رب العالمین ہے وہی الرحمٰن الرحیم ہے "الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم" غرض حیات و ممات، سعی و عمل کی یہ تمام ہنگامہ آرائی، جزائے اعمال کا عالم آخرت، حیاتِ بعد الموت، اللہ تعالیٰ ہی کے اسمائے حسنٰی "الرحمن الرحیم" کے فیضان و آثار سے وابستہ ہے اسی لئے عرش الٰہی جہاں سے احکام الٰہی

صادر ہوتے ہیں اس کا ذکر "الرحمٰن" ہی کے ساتھ ہے "الرحمٰن علی العرش استوٰی (طٰہٰ)
قیامت کا دن جو پرسشِ اعمال کا دن ہے اس دن "الرحمٰن" ہی کی حکومت ہو گی۔

الملک یومئذٍ الحق للرحمٰن (الفرقان)

رحمانیت ہی کی یہ شان بھی بیان فرمائی کہ جو لوگ رحمانیت کو نہیں مانتے شیطان ان کا دوست اور ہم نشین بنا دیا جاتا ہے۔

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض ❊ جو شخص الرحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم
لہ شیطٰناً فھو لہ قرین (الزخرف) ❊ اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو ہر وقت اس کے
❊ ساتھ رہتا ہے۔

نظامِ کائنات پر نظر ڈالنے سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سارے عالم میں محبت ہی کار فرما ہے۔ ایک قانونِ کشش تمام عالم میں جاری و ساری ہے ہر شے انسان کی طرف کھنچتی چلی آرہی ہے اور ہر شے کو انسان اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ یہ باہمی جذب و کشش ساری مخلوقات میں یکساں بلا خلل نمایاں ہے جو رحمانیت ہی کا کرشمہ ہے۔

ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفٰوت (الملک)

رحمانیت کے یہی وہ رموز و نکات ہیں جن پر مطلع ہونے سے وہ حضرات ہر وقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں سمجھتے تھے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ڈر بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اور اللہ جل شانہٗ سے محبت و گرویدگی بھی بہت بڑھ جاتی ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کو "خاشعین" بھی فرمایا اور "عابدین" بھی۔ عبادت جو بظاہر عبد و رب کا ایک شرعی و غائبانہ تعلق سمجھا جاتا ہے وہ حقیقتاً عبد و رب کا ایک حبی و حضوری تعلق ہے اس تعلق کے اظہار کی ایک جامع صورت "الصلوٰۃ" نماز ہے۔ بندہ جو محتاجِ رحمت ہے اس کو اپنے رحمٰن و رحیم سے ہر وقت عارضی و ابدی و خصوصی رحمت طلب کرتے رہنے کا جو طریقہ اللہ رحمٰن و رحیم نے سکھایا ہے وہ نماز ہی ہے یہی انبیاء علیہم السلام کا خصوصی عمل ہے۔

واوحینا الیھم فعل الخیرات و ❊ اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے اور نماز کی

اقام الصلوٰۃ (الانبیاء) ⁂ پابندی کا حکم بھیجا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے پابندی نماز کی دعا فرماتے ہیں

رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی (ابراہیم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا۔

اقم الصلوٰۃ لذکری (طٰہٰ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی نصیحت فرمائی جب تک میں زندہ رہوں، اوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیاً (مریم)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید فرمائی گئی کہ اپنے متعلقین کو نماز کی تاکید کرتے رہیئے اور خود بھی اس کی پابندی کیجئے۔ وأمر اھلك بالصلوٰۃ واصطبر علیھا (طٰہٰ)

نیز آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام اہل ایمان سے زاید جو عبادت فرض کی گئی وہ بھی نماز ہی ہے۔

ومن الیل فتھجد بہ نافلۃ لك (بنی اسرائیل) اور رات کے حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے جو آپکے لئے زاید ہے۔

حضرات صحابہ کرام کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں پہلے نماز ہی کا ذکر ہے۔

تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً ⁂ تم ان کو رکوع وسجود میں دیکھو گے اللہ تعالیٰ کا فضل

من اللہ ورضواناً سیماھم فی ⁂ ورحمت کے جویا، ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان

وجوھھم من اثر السجود (الفتح) ⁂ کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

اہل علم کا خاص عمل جو وہ لوگوں کی نظروں سے چھپا کر رات میں کیا کرتے تھے، نماز ہی ہے۔

امن ھو قانت آناء الیل ⁂ کیا جو شخص اوقات شب میں سجدہ وقیام کی حالت

ساجداً وقائماً یحذر الآخرۃ و ⁂ میں عبادت کررہا ہو، آخرت سے ڈر رہا ہو، اپنے رب

یرجوا رحمۃ ربہ ط قل ھل یستوی ⁂ کی رحمت کا امیدوار ہو، کیا اہل علم اور جاہل برابر

الذین یعلمون والذین لایعلمون۔ ⁂ ہوسکتے ہیں۔ (الزمر ۱)

یعنی اہل علم وہی ہیں جن کا خصوصی شغل نماز ہے اور جو انجام آخرت سے ڈرتے ہیں اور رحمت رب کے امیدوار رہتے ہیں۔ مصلحین کے خصوصی شغل دو ہی بیان کئے گئے

(۱) تمسک بالکتاب ۔ (۲) نماز کی پابندی ۔

والذین یمسکون بالکتاب واقاموا ✿ اور جو لوگ کتاب سے تمسک کرتے ہیں اور نماز کی پابندی

الصلوٰۃ انا لا نضیع اجر المصلحین (الاعراف) کرتے ہیں ہم مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرتے ۔

یعنی مصلح وہی ہے جس کی ہر فکر و نظر اور ہر خیال و عقیدہ کا ماخذ کتاب اللہ ہو وہ تمام مسائل کتاب اللہ کی روشنی میں حل کرتا ہے ۔ علم و حکمت کے انمول موتی وہ اسی چشمہ سے حاصل کرتا ہے کتاب اللہ کے آیاتِ محکمات ہی علم و حکمت کا سرچشمہ ہیں ۔ قرآن مجید سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ نماز ہی وہ عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ سے دلی لگاؤ بڑھتا ہے نفس کے تزکیہ کی منزلیں طے ہوتی ہیں ۔ رب و مولا کے سامنے ذلت و عاجزی و نیازمندی، الحاح و زاری، گرویدگی و شیفتگی، خوف و خشیت، شرم و ندامت کی تمام کیفیتیں جو بندگی کے لوازم ہیں نماز ہی میں پیدا ہوتی ہیں ۔ نماز ہی ایک محتاج اسراپا محتاج کی ان دلی آرزوں و تمناؤں کے اظہار کا طریقہ ہے جو ایک بندۂ حق کے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں وہ یہ کہ اس کو ہر اس عمل کی توفیق ہو جو مرضیٔ رب ہے اس کا دل خشیتِ الٰہی و حبِ الٰہی سے معمور رہے ۔ اس میں سرفروشی و جاں نثاری کا عزم و حوصلہ پیدا کیا جائے ، اس کو سراپا دعا و سراپا بندگی بنا دیا جائے دید و لقائے رب کا شوق ، درجاتِ جنت کی حرص، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ ابدی خصوصی رحمتوں کا مستحق ہو جائے ۔ غرض حضرات انبیاء علیہم السلام (صدیقین و مقربین) اہلِ علم صحابۂ کرام کے خصوصی علم و عمل کا یہ اجمالی نقشہ اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ قرب و صدیقیت کو سمجھنے میں آسانی ہو ۔

تقربِ الی اللہ ۔ اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنا رہنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ زیادہ سے زیادہ رحمتِ خاصہ سے سرفراز کیا جائے ۔ حضرات انبیاء علیہم السلام جن کو صدیق و مقرب فرمایا گیا ہے ۔ ان کے متعلق ارشاد ہے ۔

ادخلناھم فی رحمتنا (الانبیاء) ✿ ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا ۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے والوں کے متعلق ارشاد ہے ۔

سیدخلھم اللہ فی رحمتہ (سورۂ توبہ ع ۱۲) ؛ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ کو اللہ تعالی سے قریب کرنے والی قرآن سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔

ماتقرب العباد الی اللہ بمثل ماخرج منہ یعنی القرآن (احمد و ترمذی)

قرآن مجید جو بندوں کے لئے ایک دستورِ رحمت ہے وہ اسی لئے نازل کیا گیا کہ بندہ اس کی اتباع کرکے مستحق رحمت بنے۔

ھٰذا کتٰب انزلنٰہ مبٰرک فاتبعوہ ؛ یہ قرآن جو ہم نے نازل کیا ہے بڑی برکت والی کتاب ہے

واتقوا لعلکم ترحمون (الانعام) ؛ پس اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت نازل کی جائے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الٰہ واحد ہونے کے مفصل دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ" رحمانیت و رحیمیت کے فیضان واثر کا بیان ہے تاکہ بندہ اپنے فقروبندگی کو پہچانے، اپنے انجامِ حیات اور اپنے فرائضِ حیات " بندگیٔ رب وخلافتِ الٰہی" کو سمجھے اور ان فرائض کو انجام دے کر حق تعالیٰ کی ابدی رحمت ومغفرتِ الٰہی وجنت ودرجاتِ جنت کا مستحق بنے یہی نیکوکار بندوں کی بڑی کامیابی ہے۔ سورۂ جاثیہ میں روزِ قیامت کے بیان کے بعد ارشاد ہے۔

فاما الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت ؛ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کو

فیدخلھم ربھم فی رحمتہ ذٰلک ؛ ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہی

ھوالفوز المبین۔ (۴۶) ؛ صریح کامیابی ہے۔

مقامِ صالحیت وشہادت کی تکمیل کے بعد اگر بندۂ حق میں آگے بڑھنے اور اس سے بلند مقام پر فائز ہونے کی طلب ہو اور اس طلب کے ساتھ وہ قرآنی آیات میں غور وتدبر کرتا رہے تو حق تعالیٰ کی رحمانیت ورحیمیّت کے فیضان واثر پر اس کو باخبر اور مطلع کیا جاتا ہے جس سے کائنات کا ذرہ ذرہ اور انسان کا رواں رواں وابستہ ہے۔ اس فیضان واثر پر جب اس کی نظر جم جاتی ہے تو جن اسمائے حسنیٰ پر ایمان لاکر وہ صادق ہوا تھا ان پر ایسا یقین ہوجاتا ہے جیسے کسی چیز کو دیکھ کر اس کے ہونے کا

یقین ہوجائے۔ جس کا یقین و صدق اتنا پختہ ہوجاتا ہے اس کو صدیق کہتے ہیں۔ لفظ صدیق صادق کا صیغہ مبالغہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان خبر کے دائرے سے نکل کر مشاہدہ کی طرح ہوجاتا ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آجاتی ہے کہ کائنات اور خود انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا جو فیض و اثر باذنِ الٰہی ہر آن جاری و ساری ہے وہ بھی قرآن مجید کی اصطلاح میں آیات اللہ ہے ان آیات اللہ پر نظر جم جانے سے وہ ایسا محسوس کرتا ہے کہ گویا اللہ جل شانہ' رب الاعلیٰ و عظیم کو وہ دیکھ رہا ہے۔ گویا اللہ تعالےٰ اس کے سامنے جلوہ گر ہیں' اس کے حال پر متوجہ ہیں، اس کے محافظ و نگران ہیں اور اپنے کو ہر وقت اللہ جل شانہ' کے سامنے حاضر و موجود سمجھتا ہے' حدیث شریف میں اس کیفیت کا نام "احسان" ہے۔

ان تعبد ربك كانك تراه فان ❊ اپنے رب کی اس طرح عبادت کر گویا تو اس کو دیکھ

لم تكن تراه فانه يراك ❊ دیکھ رہا ہے اگرچہ تو اس کو نہیں دیکھتا وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔

انسان اللہ جل شانہ کا معلوم و مخلوق ہے مخلوق اپنے رب سے دور و پوشیدہ نہیں ہے بندہ ہر وقت آقا کے سامنے رہتا ہے۔ ایسے بندے کو رحمتِ خاصہ سے سرفراز کیا جاتا ہے یعنی اسکو وراثتاً انبیائی علوم اور انبیائی بصیرت عطا کی جاتی ہے۔ اس کے الہامات آیاتِ محکمات کے مطابق ہوتے ہیں، دوسروں کے کشفی ارشادات سے وہ بے نیاز کردیا جاتا ہے۔ اس کا خصوصی عمل بھی نماز ہوتی ہے۔ نماز جس میں شروع سے آخر تک بندگی کی مشق ہے' بندگی کا اظہار ہے، اس مقام پر بندگی کا اظہار والہانہ ہوتا ہے۔ قیام، رکوع، سجدہ، نشست و برخاست۔ عرضِ حال (سورۂ فاتحہ کی تلاوت) یہ سب اس طرح مؤدبانہ ہوجاتے ہیں جیسے ایک غلام اپنے ایک بڑے اقتدار والے حاکم کے سامنے مؤدب رہتا ہے' نماز ہی میں ادب و تمیز کی مشق سے اٹھنے میں، بیٹھنے میں، سونے میں، کھانے پینے میں، گفتگو میں، زندگی کی ہر حرکت و سکون میں بھی حضوری کے آداب ملحوظ ہوجاتے ہیں، یہی ادب و تمیز بندگی کا حسن ہے' بندگی کی خوبی ہے اس سے غفلت ہو تو استغفار کی توفیق ہوتی ہے' اور جس طرح حالت نماز میں بندہ

اپنے رب کے حضور میں رہتا ہے اس کی ہر حرکت و سکون سے بندگی ظاہر ہوتی ہے اسی طرح بندۂ مقرب کی پوری زندگی کا ظاہری و باطنی یہی نقشہ ہوتا ہے۔ ہر وقت اپنے حقیقی حاجت روا کے حضور میں رہنے سے یہ حقیقت بھی آشکار رہتی ہے کہ وہی علم دے رہے ہیں۔ ہر بات سکھا رہے ہیں۔ چلا رہے ہیں۔ دکھا رہے ہیں۔ سنا رہے ہیں۔ کھلا رہے ہیں وغیرہ اور اپنے عمل میں جو خوبی و حسن پاتا ہے اس کو اسماءِ حسنیٰ کا فیض و اثر سمجھتا ہے۔ جس کی وجہ قلب جذبۂ شکر گزاری سے معمور رہتا ہے دعائے مسنونہ "اللھم ما اصبح (امسی) بی من نعمة او باحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك فلك الحمد ولك الشكر۔" میں اسی جذبۂ شکر گزاری کا اظہار ہے جس کی وجہ سے یادِ الٰہی کا غلبہ ہو جاتا ہے رب و مولا سے شیفتگی و گرویدگی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس کی دوستی و دشمنی، منع و عطاء اللہ جل شانہٗ ہی کی محبت میں ہوتی ہے۔ عمل میں یہ حسن و خوبی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

ان احب الاعمال الى الله تعالىٰ الحب ∴ اللہ کے نزدیک تمام اعمال میں سب سے زیادہ محبوب
فی الله والبغض فی الله (احمد وابو داؤد) ∴ عمل اللہ ہی کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے (بغض) دشمنی کرنا ہے

تکمیل ایمان کا یہی مقام ہے۔

من احب لله والبغض لله واعطى الله ∴ جو اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے
ومنع لله فقد استكمل الايمان ∴ دشمنی کرے اور اللہ ہی کے لئے دے اور ہی کے لئے
(ترمذی وابو داؤد) ∴ رکے بیشک اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

یہ محبت بھی کتاب و سنت کے تحت ہوتی ہے شریعت کا وقار ایسی ہی محبت سے قائم رہتا ہے یہ محبت گم سُم کرنے والی محبت نہیں ہوتی بلکہ حق کی حفاظت، حق کی اشاعت و تبلیغ میں تن من دھن کی بازی لگا دینے والی محبت، کتاب و سنت کی اتباع کے شوق میں ہر سب و شتم اور لعن و طعن بطیب خاطر گوارا کرنے والی محبت، راہِ حق میں ہر تلخی کو شیریں، ہر زحمت کو رحمت ہر تکلیف کو راحت سمجھنے والی محبت، باطل کے ہنگاموں میں حق کو حق، باطل کو باطل کہنے کا عزم و حوصلہ پیدا کرنے والی محبت، خدا و رسول کی خوشنودی کو تمام دنیا کی خوشنودی پر مقدم اور بہرحال و بہرصورت خدا تعالیٰ و

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنے والی محبت' مرضئ رب کو اپنی ذات اور اپنے دائرہ' اثر میں نافذ کرنے والی محبت' صورتاً و سیرتاً متبع رسالت بنانے والی محبت' چونکہ صدیق خیر و خوبی کا حریص ہوتا ہے اور تمام خیر و خوبی کے جامع اللہ جل شانہ ہیں "لہ الاسماء الحسنٰی" وہی مانگنے والے کو خیر و خوبی عطا کرتے ہیں۔ اس لیئے صدیق کو اللہ جل شانہ' سے گہری محبت ہوتی ہے۔ عربی زبان میں گہرے دوست کو صدیق کہتے ہیں۔

اس مقام قرب و احسان کے بندے پر یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مجھ میں جہل ہی جہل ہے، شر ہی شر ہے، اپنی کسی نیکی کو وہ نقص و خامی سے پاک نہیں سمجھتا۔ سجدہ پہ سجدہ کرتا رہتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے ایک سجدہ بھی تیری شان کے شایاں نہ ہوا جس کی وجہ سے ندامت و خشیتِ الٰہی اس پر غالب رہتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر امت میں کون صدیق ہوگا وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ نماز میں پڑھنے کی کوئی دعا سکھلائیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا سکھائی اس میں اپنے ذاتی شر و جہل ہی کا ادراک ہے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کی طلب ہے۔

اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا	اے میرے اللہ میں نے اپنے نفس پر بڑی زیادتیاں
یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی ؎	کی ہیں اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا پس
مغفرۃ من عندک وارحمنی انک	تو ہی مجھکو بخشدے۔ مغفرت (بخشنا) تیرے ہی اختیار
انت الغفور الرحیم۔	میں ہے بیشک تو ہی غفور رحیم ہے۔

امت کے سب سے بڑے صدیق کی یہ دعا مقام صدیقیت کے جذبات و احساسات کا پتہ دے رہی ہے اس میں حضور بھی ہے (انت) انتہائی ندامت کے ساتھ اعترافِ قصور بھی ہے اور صرف رحمت و مغفرت کی تمنا کا والہانہ و مؤدبانہ اظہار و طلب ہے۔

بندۂ مقرب کو پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ جل شانہ' بلاکیفیت و تشبیہ اس کے قریب و اقرب ہیں۔ اس کے ساتھ ہیں' اس کے محافظ و نگران ہیں یہی یقین اس کے ہزاروں دکھ کی ایک دوا اور ہزاروں امراض کا ایک علاج ہے۔ انسان کے جو طبعی

خواہشات ہیں مثلاً بھوک و پیاس وغیرہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکمِ کن سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان طبعی امور کی تکمیل میں بھی بندۂ مقرب کو حق تعالیٰ کی حاکمیت اور اپنی محکومیت مستحضر ہو جاتی ہے۔ اس کی حالت پادشاہ کے پیشی کے غلام کی سی ہوتی ہے اس طرح وہ سراپا اطاعت اور سراپا دعا بن جاتا ہے۔ یہی کمالِ بندگی ہے۔ اپنے تمام کاروبار و معاملات میں مرضئ رب پہچاننے کی ایک خاص صلاحیت اس میں پیدا کر دی جاتی ہے اور وہ مرضئ رب کو اپنی مرضی بنا لیتا ہے۔ اس طرح رحمتِ خاصہ سے سرفراز ہو کر بندۂ مقرب بن جاتا ہے۔

اس کے مقربِ حق، محبوبِ حق، داخلِ رحمتِ حق، ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے علم و عمل، ظاہر و باطن میں رسالت کی پوری پوری اتباع کے خط و خال نمایاں نظر آتے ہیں مثلاً (۱) کفر و باطل سے اتنی بیزاری پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی بیخ کنی کے لئے انبیاء علیہم السلام کے عزائم اس کے دل میں پیدا کر دیئے جاتے ہیں۔ اقامت دین و اشاعتِ حق میں رخصت کا ادنیٰ پہلو بھی اس کے لئے موجب ننگ و عار ہوتا ہے، اشاعت حق کو وہ زندگی کا اولین و محبوب ترین مشغلہ سمجھتا ہے اس کو یہی دھن رہتی ہے کہ اللہ سے بچھڑے ہوئے بندے، اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو جائیں اور ہدایت کا بلند مقام حاصل کرلیں خلق کی یہی حقیقی خدمت ہے اور یہی خدمتِ حق بھی ہے اور اسی کا نام خلافت (نیابت) الٰہی ہے اور زندگی کے تمام کاروبار عدل و احسان سے انجام دینے کی قابلیت اس میں پیدا کر دی جاتی ہے۔

(۲) دنیا کی فارغ البالی اور بڑے سے بڑا اقتدار رکھ کر بھی وہ دنیا سے بے رغبت رہتا ہے۔

(۳) کفر و شرک، حق سے روگردانی اور حبِ دنیا جیسے قلبی امراض کا وہ ماہر طبیب بنا دیا جاتا ہے۔ ان امراض کا کوئی بیمار اس کے پاس آتا ہے تو وہ دفع امراض اور تزکیہ و تطہیر کے لئے، وہی نسخے استعمال کراتا ہے جو کتاب و سنت میں متعین ہیں اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری کر دیئے جاتے ہیں وہ ذرا ذرا سی ظلمت کو پہچان لیتا ہے اور زندگی کے کسی گوشہ کو تاریک رکھنا پسند نہیں کرتا اس کی یہی کوشش و

تمنا ہوتی ہے کہ وہ اور اس کی اولاد امام المتقین ہوجائے ۔ وہ دید و لقائے رب کا اتنا مشتاق رہتا ہے کہ موت کو تحفہ سمجھتا ہے ۔

(۴) شیطانی وساوس سے اس کی بصیرت میں اضافہ ہوجاتا ہے ۔

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف ⁂ متقیوں کو جب شیطانی وساوس گھیر لیتے ہیں
من الشیطان تذکروا فاذاھم ⁂ تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں تو یکایک ان کی
مبصرون ۔ (الاعراف ۲۰۱) ⁂ آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔

(۵) اس کی نظر 'عبرت'، اس کی خاموشی 'فکر' اس کی گویائی 'ذکر' ہوجاتی ہے ۔ نظر عبرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندگی کے حادثات سے اصلاحِ فکر و عمل کا سبق لیتا ہے، یہ ہے صدیقیت و قرب و احسان ۔ جو نہایت ادب و تمیز کا مقام ہے، یہاں ذرا سی بے ادبی اور بے تمیزی ناراضئ حق کا موجب ہوجاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندۂ مقرب کو اس پر مطلع کرتے رہتے ہیں اور استغفار کی توفیق عنایت فرماتے ہیں ۔ بندۂ مقرب وارث نبی ہوتا ہے ۔ اس میں ایک جامعیت ہوتی ہے وہ اچھا مبلغ ۔ اچھا عالم ، اچھا عابد ، اچھا بیٹا ، اچھا باپ ، اچھا شوہر ، اچھا دوست، اچھا ہمسایہ ، اچھا مشیر ، اچھا حاکم ، اچھا مدبّر ، اچھا سپاہی ، اچھا سپہ سالار ، اچھا مفکر ہوتا ہے اور شکر و استغفار ، دنیا کی راحتوں سے ایک گونہ بے رغبتی ، درجاتِ آخرت کی طلب ، لقاء و دیدِ رب کا شوق و تڑپ اور عزیمت ، باطل نظام اور اہلِ باطل کی روش سے بیزاری ، اعلائے کلمۃ الحق ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ، علم و عمل سے جہاد فی سبیل اللہ ، فراست ایمانی ، یہ تمام عبدِ کامل ، خلیفۃ اللہ، صدیق و مقرب کے امتیازی اوصاف ہیں ۔ زمانۂ فتن ، ایسے زمانہ میں جب کہ عقاید میں باطل خیالات شامل ہوجاتے ہیں ۔ اور کتاب و سنت کی تعلیم پر بڑی حد تک پردہ پڑ جاتا ہے تو قرب و صدیقیت کے اوصاف کے انسان کو ہدایت خلق کے لئے مامور فرمایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی بندوں کو عوام کی اصطلاح میں مرشد و شیخ ، بزرگِ دین ، ولی کہتے ہیں ۔

ولایت و بزرگی ۔ ولایت و بزرگی کے متعلق ایک غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بزرگ و ولی جو بات کہتے ہیں وحی کے مطابق ہوتی ہے اور ان سے کسی غلطی کا امکان نہیں، ان سے اختلاف سوءِ ادبی ہے ۔ اور یہ کہ بزرگ و ولی وہی ہے جو ایک نظر سے تڑپا دے غیب کی باتیں بتلا دے، اس کی توجہ سے دین و دنیا کے بگڑے ہوئے کام سنور جائیں ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ یہ غلط فہمیاں دین کی صحیح تعلیم نہ پانے کا نتیجہ ہیں ۔ حالانکہ بڑے سے بڑے بزرگ و ولی سے غلطی ہو سکتی ہے، اجتہادی غلطی سہی، مگر اجتہادی غلطی قابلِ اصلاح ہوتی ہے نہ کہ قابلِ اتباع ۔ ان اجتہادی غلطیوں میں بزرگانِ دین سے کتاب و سنت کی روشنی میں اختلاف نہ سوءِ ادبی ہے اور نہ کوئی خطرے کی بات ۔ جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگردوں نے اور مسئلہ سماع میں حضرت نظام الدین علیہ الرحمہ سے ان کے شاگردِ رشید حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے اختلاف کیا ۔

نیز بزرگی و ولایت کی علامت صرف ایمان و تقویٰ ہے، مقامِ صدیقیت و قرب کا ایمان و تقویٰ باقی دوسری علامتیں انسانوں ہی کی گھڑی ہوئی ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کی ناقدری ۔ صالحیت و شہادت، قرب و صدیقیت، احسان کی یہی وہ تعلیم ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے اسی سے نفس کا تزکیہ بھی ہوتا ہے اور قلب کی تطہیر بھی ۔ دین و ایمان کی تکمیل بھی اور مقامِ احسان کی تحصیل بھی ۔ زمانۂ نبوت سے دور ہونے کا بہانہ تلاش کر کے تزکیۂ نفس، تطہیرِ قلب، تکمیلِ دین وغیرہ کے لئے غیر مسنون طریقوں کو اختیار کرنا بڑی نادانی ہے بلکہ اللہ جل شانہٗ کی ناقدری ہے ۔ کیونکہ بندوں کی حقیقی اصلاح کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں وہی ہر زمانہ میں طالبِ حق کی تربیت فرماتے ہیں ۔ عام ازیں کہ نبوت کا زمانہ ہو یا نہ ہو ۔

ان ولیی اللہ الذی نزل الکتاب ❊ میرا سرپرست وہ ہے جس نے کتاب نازل کی اور

وھو یتولی الصلحین (اعراف ع ۲۴) ❊ وہی صالحین کی سرپرستی کرتا ہے ۔

یتولی الصلحین ۔ صالحین کی سرپرستی کے مفہوم میں نفس کا تزکیہ، قلب کی تطہیر، دین و ایمان کی تکمیل سب کچھ داخل ہے ۔ انسان کی اصلاح کو اشخاص سے متعلق کر دینا

ایک ایسا خیال ہے جس میں شرک کی بو ہے۔ انبیاء علیہم السلام یا ان کے خالص متبعین اصلاح کے طریقے بتلاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں، اصلاحِ حال حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے بے سند باتیں منسوب کرنے کا نقصان

یہاں یہ ایک بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ خالق و رب، عالم الغیب والشہادۃ، رحمٰن و رحیم، رزاق و غفار، قوی و قدیر، عزیز و حکیم، غرض جمیع اسمائے حسنیٰ سے متصف، الٰہِ واحد ہونے اور اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کی تعلیم طالبِ حق کو اس لئے دی جا رہی ہے کہ انسان اپنی فطری حیثیت، بندگی رب کو پہچاننے اور ہر وقت اسی شعور و ادراک میں رہے تاکہ اللہ تعالیٰ سے ہر آن جو احتیاجی نسبت ہے۔ اسم حسن "القیوم" میں جس کی طرف اشارہ ہے وہ زیادہ سے زیادہ واضح ہوتی جائے اور عبادت میں حسن و خوبی اور دین و ایمان میں کمال پیدا ہو۔ بجائے اس کے اگر بندہ اس سوچ بچار میں پڑا رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کس طرح پیدا کیا اور کس طرح مخلوق کی حاجت روائی کر رہے ہیں اور مخلوق کو پیدا کرنے کا راز کیا ہے؟ اور پھر اپنے کشف و الہام و خواب کی بناء پر اللہ تعالیٰ سے ایسی باتیں منسوب کرے اور اس کو بڑی راز کی باتیں سمجھے جس کا ذکر اللہ و رسول کی تعلیم میں نہ ہو تو ایسی بے سند[1] باتوں سے اللہ تعالیٰ کی شان یکتائی میں نہ کوئی فرق آتا ہے اور نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔ البتہ ایسی باتوں سے بندگی کے شعور و ادراک میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اور سوچنے سمجھنے کی قابلیت میں کجی و خامی پیدا ہو جاتی ہے اور بندہ نقص کو کمال اور کمال کو نقص سمجھنے لگتا ہے۔ شاید اس آیۂ کریمہ "لا تقف ما لیس لك بہٖ علم" میں ایسی ہی باتوں کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم بندوں کی درستی و بہبودی کے لئے دی ہے اس میں نہ اسرار[2] ہیں نہ غوامض، اصلاح

---

[1] کشف و الہام کی وہ تمام باتیں بے سند ہیں جو کتاب و سنت کے محکمات سے ثابت نہ ہوں۔ وہی کشف و الہام قابلِ قبول ہے جو قرآنی و نبوی تعلیم کے مطابق ہو۔

[2] اسرار کو علوم سینہ کہا جاتا ہے اور غیر صحیح روایات کی بناء پر یہ مشہور ہو گیا ہے کہ علوم سینہ (بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۱۳۵)

حالی و ترقی درجات کے لیے ہر ہدایت نہایت واضح بیان فرمادی گئی - ھدی للناس وبینات من الھدیٰ - اور دین کامل، نعمت تمام کردی گئی -

دین و نعمت - روایات اور بزرگوں کے ارشادات کی بناء پر بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دین الگ ہے اور نعمت الگ ہے - نعمت وہ اس تعلیم کو سمجھتے ہیں جو وحدۃ الوجود، فنا و بقاء اور علم سینہ کے نام سے صوفیاء و مشائخ میں رائج ہے - یہ بالکل مہمل خیال ہے دین جس کا تعلق بندوں کی اصلاح سے ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت فرمایا مثلاً سورۂ مائدہ میں وضو کے احکام بیان کرکے "لیتم نعمتہ" فرمایا - تحویل قبلہ کے حکم کے بعد ارشاد ہے " ولاتم نعمتی علیکم " سورہ حجرات میں ایمان سے محبّت، نافرمانی سے کراہیت پیدا کرنے کو اپنا فضل و نعمت فرماتے ہیں - اس سے ثابت ہے کہ دین و نعمت الگ نہیں ہے بلکہ دین ہی کو اپنی نعمت فرمایا - دین و نعمت کو الگ الگ سمجھنا قرآن کے خلاف ہے -

غرض اختلافات کے زمانہ میں سلامتی کی راہ یہی ہے کہ اسوۂ حسنہ اور صحابۂ کرام کی پوری پوری اتباع کی جائے - اس تحریر سے یہی مقصد ہے کہ حق، طالبانِ حق کے سامنے آجائے - ؎

زتحریرم غرض عرضِ ہنر نیست ❊ دماغم را ازیں بوہا خبر نیست

اور حق تو یہ ہے :- ؎

اُن کے حسن و بیان کا ہم سے
اُن کے شایاں بیان ہو نہ سکا

تبصرۃ وذکریٰ لکل عبد منیب



(بقیہ حاشیہ صـ۱۳۴) بواسطۂ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دنیا میں پھیلے اس کے خلاف محققین کی تحقیق یہ ہے کہ اسرار کی کوئی تعلیم نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو دی اور نہ کوئی راز کی بات سیدنا علیؓ نے دوسروں کو بتلائی - ملاحظہ ہو کتاب " شفاء العلیل اور قرۃ العینین " شاہ ولی اللہؒ

ناظرین سے!

آج کل کتاب و سنت کی وہ صحیح تعلیمات رواج پذیر نہیں ہیں جو بندہ میں مرد مجاہد، خلیفۃ اللہ کی قابلیت پیدا کریں۔ اِلّا ماشاءاللہ۔

پس جو حضرات اس کتاب کو ملاحظہ فرمائیں ان کا فرض ہے کہ یہ تعلیمات اشاعتِ حق کی نیت سے دوسرے طالبانِ حق تک پہنچائیں۔

الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات

(تاج پریس یوسف بازار حیدرآباد)

ملنے کا پتہ

"ادارۂ الحق" ۔ ڈیوڑھی شہریار جنگ محلہ سلطانشاہی
ڈاک خانہ چوبلی ـــــــ حیدرآباد دکن ۔

تعداد طبع (ایک ہزار)

قیمت (عـه) ایک روپیہ ۔ علاوہ محصول ڈاک


حیدرآباد
تاج پریس یوسف بازار
هجری
سنہ ۱۳۷۱
دکن